ارشاداتِ امیرِ ملت

مرتب

محمد صادق قصوری

مرکزی مجلس امیرِ ملت ○ بُرجکلاں قصور

زیر سرپرستی — حضرت قبلہ معین الملت، پیر سید حیدر حسین شاہ صاحب

زیرِ ظلِ عنایت — حضرت قبلہ فخر الملت پیر سید افضل حسین شاہ صاحب
سجادہ نشین دربارِ عالیہ علی پور شریف، ضلع سیالکوٹ

نام کتاب ــــــــ ارشاداتِ امیرِ ملت رح

مرتب ــــــــ محمد صادق قصوری

کتابت ــــــــ سید قمر الحسن ضیغم قادری

مقام اشاعت اول ــــــــ

تاریخ اشاعت ــــــــ ۸ر جولائی ۱۹۸۳ء

صفحات ــــــــ ۱۱۲

ہدیہ مجلد ــــــــ ۲۵ر روپے

ہدیہ بغیر جلد ــــــــ ۲۰ر روپے

ناشر ــــــــ مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں قصور

ملنے کا پتہ

۱۔ مہر الملت پیر سید منور حسین شاہ جماعتی دربار عالیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ

۲۔ مرکزی مجلس امیر ملت برج کلاں قصور

۳۔ نوری کتب خانہ۔ دربار عالیہ حضرت گنج بخش لاہور

۴۔ اسلامی کتب خانہ علامہ اقبال روڈ سیالکوٹ

فہرست!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم!

(۱)

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت عارف تھے۔ مذہبی اور سیاسی سطح پر انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں، ہزاروں عیسائیوں اور ہندوؤں کو مشرف باسلام کیا۔ تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا اور تحریکِ پاکستان میں ایک نئی روح پھونکی۔ ان کے صدارتی خطبات سے جو انہوں نے ۱۹۲۵ء میں مراد آباد میں، ۱۹۳۵ء میں بدایوں میں اور ۱۹۴۶ء میں بنارس میں ارشاد فرمائے تھے، ان کی سیاسی بصیرت عیاں ہے۔ حکومتِ ہند ان کے جلالِ سیاست سے خوف زدہ رہتی تھی۔ وہ بڑے فراخ دل تھے۔ اسلامی تحریکوں میں بے دریغ خرچ کیا اور وقت آنے پر اسلامی ملکوں کی بھرپور مدد کی ——— وہ عاشقِ رسول ﷺ تھے، ڈاکٹر اقبال بھی ان کے قدموں میں بیٹھنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ان کے ملفوظات میں تشنگانِ علم و عرفان کے لئے بہت کچھ ہے۔ ان کے مرید و عقیدت مند نہ صرف پاکستان و ہندوستان بلکہ بہت سے دوسرے اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ والیانِ مملکت تک ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے تقریباً پچاس مرتبہ حرمین شریفین حاضری دی، سینکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں اور علمی رسائل جاری کئے ——— ۱۹۵۱ء میں وصال فرمایا۔ علی پور سیداں (ضلع سیالکوٹ، پاکستان) میں ان کا مزار مبارک زیارت گاہِ خلائق ہے

حضرت محدث علی پوری نے علمی کام بہت کیا، ان کی زندگی عمل سے عبارت ہے۔ اسی لئے وہ تحریری یادگاریں زیادہ نہ چھوڑ سکے۔ ان کے ملفوظات اور خطبات وغیرہ جمع کرکے شائع کروائے گئے ہیں۔ اب ان کے تین مضامین جو آجکل بھی افادیت سے خالی نہیں (بلکہ پہلے سے زیادہ افادیت رکھتے ہیں) اہل سنت کے مشہور قلمکار جناب محمد صادق قصوری زید مجدہ آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ مضامین مندرجہ ذیل تین اہم موضوعات پر ہیں:۔

۱۔ ضرورتِ مرشد[1]

۲۔ مریدِ صادق

۳۔ یارانِ طریقت یا پیر بھائی

راقم نے ان مضامین کو پڑھا اور ان سے جو کچھ حاصل کیا یا مطالعہ کے دوران جو کچھ وارد ہوا وہ بطور مقدمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۲)

عقیدت و ارادت کے دائرے میں داخل ہونے کے بعد مرید کے لئے سہ جہتی تعلق کی نگہداشت و حفاظت بہت ضروری ہو جاتی ہے یعنی

۱۔ مرید کا اللہ اور رسولؐ سے تعلق

۲۔ مرید کا اپنے مرشد سے تعلق

۳۔ مرید کا اپنے پیر بھائیوں اور دوسرے مسلمان بھائیوں سے تعلق

---

[1] پہلا مضمون "ضرورت مرشد" مئی ۱۹۱۰ء میں پنڈی بہاء الدین (ضلع گجرات) کے ماہنامہ "صوفی" میں شائع ہوا، ۱۹۵۴ء میں ماہنامہ "مبلغ" (قصور) کے جون و جولائی کے شماروں میں شائع ہوا، ۱۹۵۵ء میں "تحفۂ شاہ جماعت" کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوا، ۱۹۶۱ء میں کراچی سے شائع ہوا، ایک ایڈیشن ٹوبہ ٹیک سنگھ (ضلع فیصل آباد) سے بھی شائع ہوا۔ اور آخری ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں داؤد کے کلاں (ضلع سیالکوٹ) سے شائع ہوا

دوسرا مضمون "مریدِ صادق" تقریباً ساٹھ سال قبل انجمن خدام الصوفیہ (لاہور) نے شائع کیا۔

تیسرا مضمون "یارانِ طریقت" کے عنوان سے تقریباً ساٹھ ستر سال قبل انجمن خدام الصوفیہ (لاہور) نے شائع کیا۔ پھر اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اور آخری ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں قصور سے شائع ہوا

صادق قصوری

ایک اچھا مرید، معاشرے کا ایک اچھا فرد ثابت ہوتا ہے۔ لیکن آجکل مسلم معاشرے کے افراد میں تعلقات کی ان تینوں کیفیات میں اس حد تک ضعف پیدا ہو چکا ہے کہ بے تعلقی نے انسان کی زندگی اجیرن بنا کر رکھ دی ہے ——

سب سے پہلے ہم پہلے اور دوسرے تعلق کے بارے میں اظہار خیال کریں گے۔ اس کے بعد تیسری قسم کے تعلق کے بارے میں عرض کریں گے۔

(۳)

جس کو ہم انسان کہتے ہیں اس کا ایک جسم ہے، ایک دماغ ہے اور ایک روح ہے —— جسم کو تربیت و تقویت کی ضرورت ہے، دماغ کو بھی تربیت و تقویت کی ضرورت ہے، روح کو بھی تربیت و تقویت کی ضرورت ہے —— ہم کھاتے پیتے ہیں اور علاج معالجہ کرتے ہیں تاکہ جسم توانا و تندرست رہے —— ہم پڑھتے پڑھاتے اور لکھتے لکھاتے ہیں تاکہ دماغ صحتمند رہے —— مگر وہ شئے لطیف "کہتے ہیں جان پاک جسے" اس کے لئے ہم میں سے اکثر کچھ نہیں کرتے۔ حالانکہ جسطرح جسم و دماغ کو تربیت و نگہداشت کی ضرورت ہے روح کو بھی ضرورت ہے بلکہ جسم و دماغ سے کہیں زیادہ ——

جسم بھی بیمار ہوتا ہے، ذہن بھی بیمار ہوتا ہے، روح بھی بیمار ہوتی ہے —— امراض جسمانیہ، امراض دماغیہ اور امراض روحانیہ کی نوعیتیں مختلف ہیں، ان کے طریقہ علاج مختلف ہیں، ان کے معالجین مختلف ہیں —— حکماء و اطباء امراض جسمانیہ کے معالج ہیں، اساتذہ و معلمین امراض دماغیہ کے معالج ہیں اور حضرات اہل اللہ امراض روحانیہ کے معالج ہیں —— اسی لئے قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہ پہلے دلوں کو صاف کرتے ہیں —— پھر کتاب کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کے بعد حکمت و دانائی کی باتیں بتاتے ہیں۔ اور راز کھولتے ہیں —— جب تک زمین تیار نہ کی جائے نہ بیج سر اٹھا سکتا ہے اور نہ پودا پنپ سکتا ہے —— جب تک جسم کی بیماریاں دفع نہ کی جائیں کوئی غذا بدن کو نہیں لگ سکتی۔ —— یہی روح کا حال ہے۔ پہلے اس کی بیماریاں دور کی جائیں پھر وہ خود بخود بلندی کی طرف جانے لگتی ہے —— !

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر روح کی مختلف حالتوں کا ذکر کیا ہے ——— بعض ایسی ہیں جو ہمیشہ پستی کی طرف جاتی ہیں اور بدی کی راہ اختیار کرتی ہیں، ان کو نیکی کی راہ کبھی سوجھتی ہی نہیں ——— اس کیفیت کو "امارہ" کہا گیا ——— بعض ایسی ہیں کہ پستی کی طرف جاتی ہیں اور بدی کی راہ اختیار کرتی ہیں مگر بلندی کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ نیکی کی راہ اختیار کرتی ہیں۔ برائیاں کرتی ہیں مگر پھر دل کو ملامت کرتی ہیں۔ پشیمان ہوتی ہیں اور یہ پشیمانی توبہ بن کر ان کے دل کو پاک صاف کر دیتی ہے ——— اس کیفیت کو "لوامہ" کہا گیا ——— بعض روحیں ایسی ہیں جنہوں نے پستی دیکھی ہی نہیں یا دیکھی ہے تو کچھ وقت کے لئے مگر پھر ان کی روح ایسی بلند ہوئی کہ اس نے پستی کی طرف مڑ کر نہ دیکھا، ہمیشہ نیکیوں اور اچھائیوں میں لگی رہی اور کبھی برائی کے متعلق سوچا تک نہیں ——— اس کیفیت کو "مطمئنہ" کہا گیا ———!

حقیقت میں اگر دیکھا جائے کہ روح کی ان کیفیات کا دار و مدار صحبت و تربیت پر ہے۔ ——— انسان صحبت سے بنتا بگڑتا ہے ——— اس لئے انسانی زندگی میں صحبت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ بناؤ اور بگاڑ کا دار و مدار ہی اسی پر ہے اِلّا ماشاء اللہ ———!

تو جب یہ معلوم ہو گیا کہ روح بھی ایک شئے ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روح ایک حالت پر نہیں رہتی اور اس کی کیفیات میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں اور صحبت اپنا اثر دکھاتی رہتی ہے تو پھر ساری توجہ جسم و دماغ کی تربیت پر لگا دینا اور روح کی تربیت سے غافل ہو جانا دانائی نہیں ——— روح ایک ایسی چیز ہے جو باقی رہنے والی ہے، باقی تو سب فنا ہونے والے ہیں اِلّا ماشاء اللہ ——— تو فانی کی فکر کرنا اور باقی کو نظر انداز کر دینا عقل کی بات نہیں ——— فانی کو باقی کی تعمیر و تربیت میں لگانا اصل دانائی ہے ———

تو پھر روح کی کس طرح تربیت کی جائے۔ اس کو کس طرح سنوارا جائے؟ ——— ہم جسم کی تربیت و پرداخت کے لئے طبیبوں، حکیموں اور ڈاکٹروں کے پاس جاتے ہیں ——— ہم دماغ اور ذہن کی جلا کے لئے استادوں اور معلموں کے پاس جاتے ہیں ——— روح کی تربیت کے لئے بھی استاد و معلم موجود ہیں اور وہ ہیں حضرات اہل اللہ ——— تو ہم ان کے پاس کیوں نہ جائیں ———؟ ان کی باتیں کیوں نہ سنیں ——— ان کی صحبت میں کیوں نہ

بیٹھیں ۔۔۔۔ یقیناً ان کے پاس جانا چاہیئے ۔۔۔۔ ان کی صحبت میں بیٹھنا چاہیئے ۔۔۔۔
ان کی باتیں سُننی چاہئیں تاکہ روح میں بالیدگی پیدا ہو اور وہ بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگے ۔۔۔۔ اگر روح کی خبر نہ لی گئی تو جسم انسانی ایک تابوت بن کر رہ جائے گا۔ اور یہ ایک عظیم المیہ ہوگا۔ اسی لئے قرآن نے فرمایا کہ اگر کامیاب زندگی گذارنی ہے تو "سچوں کے ساتھ رہو"۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا "اللہ کی راہ میں سہارے تلاش کرو" ۔۔۔۔ تو اس کے محبوبوں اور اس کے پیاروں سے بڑھ کر سچا کون ہوگا؟ ان کی سچائی پر تاریخ نے مُہرِ ثبت کردی ہے اور تجربے نے شہادت دی ہے ۔۔۔۔ اقبال نے بڑی دل لگتی بات کہدی کہ ملتِ اسلامیہ کے تنزل کی بڑی وجہ حضرات اہل اللہ اور اسلاف کرام سے نوجوانوں کی بے تعلقی اور بے خبری ہے ۔۔۔۔ اسی لئے وہ خود اہل اللہ کے مزارات پر حاضر ہوتے رہے، ان سے فیض حاصل کرتے رہے ۔۔۔۔ مذہبیات اور سیاسیات کے محققین تحقیق کریں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ اولیاء اللہ سے بے تعلقی کی تحریکوں نے آزادی کی تحریکوں اور ملتِ اسلامیہ کی ساکھ کو بہت نقصان پہنچایا اور برابر نقصان پہنچا رہی ہیں ۔۔۔۔ ہم تجربے کی منزل سے گزر رہے ہیں۔ ۔۔۔۔ اور دیکھ رہے ہیں کہ اہل اللہ سے محبّت کرنے والے بڑی قوتوں سے ٹکرا لے رہے ہیں۔ اور ان سے پیٹھ پھیرنے والے چھوٹی قوتوں سے پے در پے شکست کھا رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دل میں قوّت محبّت سے پیدا ہوتی ہے ۔۔۔۔ اللہ کی محبت، رسولؐ کی محبّت، اس کے محبوبوں اور پیاروں کی محبّت ۔۔۔۔ جب محبت نہیں تو دل بے جان ہے اور بے جان دل نہ میدانِ جنگ میں کسی کام کا ہے اور نہ میدانِ زندگی میں ۔۔۔۔ ؏

دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ!

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ تو رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے تو پھر ایسے قریب کے لئے سہارے اور وسیلے کی کیا ضرورت ہے؟ ۔۔۔۔ بات بظاہر بڑی معقول اور دل نشین معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی سی توجّہ کی جائے تو پتا چلے گا کہ معقول نہیں ۔۔۔۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک جاہل انسان کے سامنے کتاب رکھدی جائے، کتاب اس کے سامنے ہے بلکہ کتاب کا عکس اس کی آنکھ کے تارے میں موجود ہے گویا کتاب اس کے وجود میں ہے مگر پھر بھی وہ بےخبر

ہے ـــ اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی اس کو سہارے کی ضرورت ہے ـــ اس کو استاد کی ضرورت ہے جو کتاب کے رخ سے پردہ اٹھا کر جلوۂ معانی اس کو دکھائے ـــ بے شک مولیٰ تعالیٰ ہماری رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے مگر وہ ضعیف انسان جو کتاب کے چہرے سے نقاب اُلٹ کر نہ دیکھ سکا وہ اس قابل کہاں کہ نقاب اُلٹ کر رُخِ جاناں کا نظارہ کر سکے ـــ!

پھر بات صرف سہاروں کی نہیں بلکہ مل جائیں تو ان کی تعظیم و تکریم کی بھی ہے ـــ قصۂ ابلیس و آدمؑ میں یہ راز پوشیدہ ہے ـــ اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو جھکایا ـــ آدمؑ کے سامنے کیوں جھکایا وہ تو پہلے ہی اللہ کے آگے جھکتے تھے! ـــ اس جھکانے میں کوئی راز معلوم ہوتا ہے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ یہ بتانا مقصود تھا کہ عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان رسولؐ و نبی ایک عظیم وسیلہ اور سہارا ہے۔ جس طرح اشیاء کے جاننے پہچاننے میں آنکھ وسیلہ ہے ـــ تو ان وسیلوں کی تعظیم و تکریم کی جانی چاہیئے۔ پھر جو ان کے جانشین ہوں وہ اس تعلق سے تعظیم کے لائق ہیں اور اس کے مستحق ـــ سمجھنے کی بات ہے، شیطان نے مردود ہونے کے بعد اللہ سے جو مہلت مانگی وہ اللہ کی مخلوق کو بہکانے کے لئے مانگی اور اللہ نے اپنے کرم سے اس کو یہ مہلت دے بھی دی مگر ساتھ ہی فرما دیا کہ جو ہمارے ہیں وہ تیرے بہکاوے میں نہیں آ سکتے ـــ تو اب وہ بہکاتا پھرتا ہے ـــ ظاہر ہے کہ اس کا سب سے پہلا نشانہ نبیؐ کی ذات ہو گی کیونکہ اسی ذات کے آگے نہ جھکنے کی وجہ سے وہ مردود ہوا ـــ اس لئے اس کو یہ بتاتا ہے کہ نبی و ولی تو اللہ کے مجبور بندے ہیں ـــ نہ ان کے سہارے کی ضرورت ـــ نہ ان کے آگے جھکنے اور ان کی تعظیم کی حاجت ـــ سہارے کے لئے اور تعظیم کے لئے اللہ کافی ہے ـــ یہ وہی بات ہے جو اس نے مردود ہونے سے پہلے کہی اور جس پر وہ مردود ہوا ـــ تو حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت اہل اللہ علیہم الرحمہ سے منہ موڑنا معمولی بات نہیں ـــ اس منزل پر عقل کو ہوش کی ضرورت ہے تاکہ کوئی بہکانے والا بہکا کر ہمیں بے راہ نہ کر دے ـــ پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ زندگی گزارنے کے لئے کسی نہ کسی کی مرضی پر چلنا ہی پڑے گا، تو جب چلنا ہی پڑا تو اس کی مرضی پر کیوں نہ چلا جائے۔ جس نے ساری زندگی خدا کی

مرضی پر گزاری ـــــ

نفسیاتی طور پر بیعت و عقیدت کے بڑے فائدے ہیں ـــــ آجکل کا انسان بڑا پریشان ہے ـــــ امیر بھی پریشان، غریب بھی پریشان ـــــ پریشاں خاطر کو سکون کی تلاش ہے ـــــ وہ نہیں ملتا ـــــ جب وہ نہیں ملتا تو انسان دنیا جہاں کی آسائشوں کے باوجود خود کو کھویا کھویا سا محسوس کرتا ہے ـــــ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ کوئی سہارا مل جائے تاکہ دلِ بے قرار کو قرار آئے ـــــ ایک کالج کے پرنسپل نے بیعت ہونے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "بس ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کسی سے بندھ جائیں" ـــــ مولیٰ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں بندھنے کی امنگ رکھی ہے اس لئے فرمایا کہ "سچوں کے ساتھ ہو جاؤ" ـــــ راقم کے احباب میں بحریہ کے ایک کمانڈر نے فرمایا کہ بیعت ہونے سے قبل جب وہ سمندر میں جہاز لے جاتے تھے تو ایک تناؤ اور کھنچاؤ سا رہتا تھا۔ لیکن بیعت ہونے کے بعد اعصاب میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہو گیا۔ اور وہ تناؤ نہ رہا ـــــ اللہ اللہ آج پوری دنیا اس تناؤ اور کھنچاؤ کا شکار ہے ـــــ بے چینی کی انتہا ہے کہ موت میں چین ملنے لگا اور جینے والے خودکشی کر کے چین تلاش کر رہے ہیں ـــــ مگر خودکشی میں چین کہاں؟ ـــــ چین تو خود شناسی اور خدا شناسی میں ہے ـــــ اقبالؔ نے سچ کہا تھا ؎

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام!

جب کوئی طالب کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے، پہلے اس کو توبہ کرائی جاتی ہے پھر ایمان کی تلقین کی جاتی ہے۔ اس کے بعد عمل صالح کی ترغیب دی جاتی ہے ـــــ غور کریں تو اندازہ ہو گا کہ ایک گنہ گار و پریشان انسان جب پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو توبہ کے بعد خود کو بہت ہلکا محسوس کرتا ہے۔ اور وہ ذہنی آسودگی حاصل کر لیتا ہے جس کی اسے تلاش تھی ـــــ پھر جب اس سکون کے عالم میں ایمان کی بات کرتا ہے تو ظلمتوں میں اجالا نظر آنے لگتا ہے اور ایک نئی زندگی لے کر نیکیوں میں

لگ جاتا ہے ــــــ اس کی زندگی میں ایک انقلاب آجاتا ہے ــــــ یہ نقلاب پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں ــــــ

ساری باتیں سمجھنے کے بعد اب یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ مرشد ہو تو کیسا ہو؟ ــــــ ہر کس و ناکس کو مرشد نہیں بنایا جا سکتا ــــــ اس میں کچھ تو کشش ہو ــــــ اس کو دیکھ کر کچھ تو ایمان تازہ ہو ــــــ تو مرشد میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہونی چاہئیں، یہ خوبیاں نہایت ضروری ہیں ــــــ جب دل کسی مرشد کی تلاش میں سرگرداں ہو اور تلاش و جستجو میں کوئی مل جائے تو

۱۔ پہلے یہ دیکھیئے کہ وہ متبع سُنّت ہے یا نہیں؟

۲۔ وہ حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا عاشق ہے یا نہیں؟

۳۔ طریقت کے جس سلسلے سے وہ منسلک ہے وہ مربوط و مسلسل ہے یا نہیں؟

۴۔ کم از کم اتنی علمی استعداد رکھتا ہے یا نہیں کہ دین کے مسائل خود نکال لے؟

۵۔ کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے اس کو اجازت حاصل ہے یا نہیں؟

۶۔ اس کی صحبت میں دنیا سے بے زاری اور خدا کی محبّت بڑھتی ہے یا نہیں؟

۷۔ اس میں دنیا کی لالچ تو نہیں؟

۸۔ ترک ماسوا اللّٰہ اور سیر الی اللّٰہ اس کو حاصل ہے یا نہیں؟

(۴)

مرشد کی نشانیاں اور خوبیاں جاننے کے بعد یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ مرید کس شان کا ہونا چاہیئے؟ ــــــ

مرید دو طرح کے ہوتے ہیں ــــــ ایک نام کا مرید اور دوسرا کام کا مرید۔ ــــــ کام کا مرید ہی آگے چل کر "مراد" بن جاتا ہے ــــــ وہ طالب بن کر آتا ہے مطلوب بن کر انتہا کو پہنچتا ہے ــــــ عاشق بن کر قدم رکھتا ہے، معشوق بن کر مسند نشین ہوتا ہے ــــــ محب بن کر جادہ پیما ہوتا ہے، محبوب بن کر رہنما بن

جاتا ہے ـــــ وارفتگی وشیفتگی اور خود سپردگی اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے ـــــ حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے کیا خوب فرمایا :-

" دریں راہ اندکے جنوں درکار است "

(ترجمہ) " اس راہ میں تھوڑی سی دیوانگی کی ضرورت ہے "

یہ وہی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ـــــ آپؐ نے فرمایا:

" تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک دیکھنے والے یہ نہ کہنے لگیں کہ یہ تو دیوانہ ہے "

اور اسی مفہوم کو اقبال نے اس شعر میں یوں سمویا ہے ؎

حیات کیا ہے خیال ونظر کی مجذوبی ۔۔۔ خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

کیمیا گر کو ایک جنون ہوتا ہے ـــــ کیمیا کا پتہ تو نہیں ملا مگر کیمیا گروں کا جنون باقی ہے ـــــ مگر راہ محبت وہ راہ ہے کہ یہاں کیمیا گروں کو کیمیا مل جاتا ہے ـــــ یہاں کوشش رائیگاں نہیں جاتی ـــــ یہاں تاثیر کا یہ عالم ہوتا ہے ؎

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے ۔۔۔ یہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل!

ہر شے کا ایک پیمانہ ہے ـــــ ہر چیز کا ایک اندازہ ہے ـــــ ہر منزل کی کچھ شرائط ہیں ـــــ ہر وجود کی کچھ صفات ہیں ـــــ تو پھر مرید کیسا ہونا چاہیئے تاکہ وہ " مراد " بن جائے ـــــ آئیے محدّث علی پوری اور دوسرے اہل اللہ کی باتیں سنیں اور طلب وشوق کو اپنے دل میں جگہ دیں :-

مرید صادق وہ ہے ـــــ

ـــــ جس کو اپنے مرشد سے سب سے زیادہ محبت ہو اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم سمجھے ۔

ـــــ جو نفسانی خواہشات سے آزاد ہو کر مخلوق سے بے نیاز ہو جائے ۔

ـــــ جس کا ایک سانس بھی یاد خدا سے غافل نہ ہو ۔

ـــــ جو طلب میں ثابت قدم رہے اور ہمت نہ ہارے ۔

۔۔۔۔۔جو آدابِ شریعت میں کسی مستحب کو بھی حتی الامکان ترک نہ کرے۔

۔۔۔۔۔جو دنیا کی محبت اور بیہودہ باتوں کو ترک کر دے۔

۔۔۔۔۔جو بازار میں چلتے وقت قدموں پر نظر رکھے۔

۔۔۔۔۔جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ ناقابل تصور کرے۔

۔۔۔۔۔جو مرشد کی صحبت میں رہ کر دنیاوی فائدوں کی آرزو نہ رکھے۔ بلکہ دینی فائدوں کی آرزو رکھے۔

۔۔۔۔۔جو مرشد میں کوئی بات خلافِ شرع دیکھ کر بددل نہ ہو بلکہ مرشد سے پوچھ کر

۔۔۔۔۔حقیقتِ حال سے آگاہ ہو۔

۔۔۔۔۔جو سخت بھوک کے وقت کھانا کھائے، نیند کے غلبے کے وقت سوئے اور بغیر ضرورت بات نہ کرے۔

۔۔۔۔۔جو مرشد کے بتائے ہوئے ذکر واذکار چھوڑ کر کسی اور اوراد و وظائف میں مشغول نہ ہو

۔۔۔۔۔جو مرشد کے احکام میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے۔

۔۔۔۔۔مرشد اگر کسی مرید کو اس پر فوقیت دے، اگرچہ وہ علم میں کم تر ہو مگر پھر بھی وہ مرشد سے کبیدہ خاطر نہ ہو۔

۔۔۔۔۔جو مرشد کے خاندانی معاملات میں بغیر مرشد کی اجازت کے کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔

۔۔۔۔۔جو اپنے دل کو مرشد کے دل کے مقابل رکھے۔

(۵)

مرید صادق کی یہ چند خوبیاں ہیں ۔۔۔۔۔ جب ارادت و عقیدت کے بندھن میں بندھ گیا تو جو بھی بندھے ہوئے ہیں ان سے ایک نسبتِ خاصہ پیدا ہو گئی اور اسی نسبت نے "حلقہ یاراں" کو جنم دیا جس کا پاس و خیال مرید کے لئے لازم ہے کہ محبت کی

روح وفا شعاری ہے ـــــ جفا محبوب کو زیب دیتی ہے، محب کو تو وفا ہی سجتی ہے ـــــ تو مرید صادق کے لئے لازم ہے کہ اپنے پیر بھائیوں کے لئے:

- زبان سے شفقت و محبت ظاہر کرے۔
- ان کو ضروری علم دین سکھائے۔
- قصور ہو جائے تو معاف کر دے۔
- ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد دعا سے یاد کرے۔
- وفائے دوستی کو نہ بھولے۔
- درمیان سے تکلف اٹھا دے تاکہ بیگانگی نہ رہے

⁂

حضرت علاؤ الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں ـــــ ایک تو وہ بھائی جو والدین کے تعلق سے بھائی ہوتا ہے ـــــ دوسرا وہ جو دنیا والے کام نکالنے کے لئے بنالیا کرتے ہیں ـــــ تیسرا بھائی وہ ہے جو روحانی تعلق سے بھائی بنتا ہے یعنی پیر بھائی ـــــ حقیقت یہ ہے کہ یہ آخری قسم کا بھائی نفسانی تعلق کی ہر آلائش سے پاک ہوتا ہے، اس کی بنیاد بے غرضی اور بے نفسی پر ہوتی ہے ـــــ اس اخوت میں نہ رنگ کا امتیاز ہے نہ زبان اور نسل کا ـــــ ایک ہمہ گیر اخوت ہے جس میں سارا جہاں سمایا ہوا ہے ـــــ یہ ایک اَن ہونی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اسلام نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا ـــــ دورِ جدید کی سیاست تو ایک ملک و وطن کے لوگوں کو بھی ایک نہ کر سکی ـــــ مگر اللہ کے رسول ﷺ نے عالم کے رہنے والوں کو ایک لڑی میں پرو کر بھائی بنا دیا ـــــ تو اخوت کا یہ سلسلہ صحابۂ کبار سے شروع ہوتا ہے جب مہاجر صحابہ کو انصار صحابہ کا بھائی بنایا گیا اور یہ ایسے بھائی بنے کہ ایک دوسرے کے اثاثے، جائیداد و ملکیت حتیٰ کہ ترکے میں شریک ہو گئے ـــــ اللہ اکبر! ـــــ یہ للہ فی اللہ محبت تھی جس کے متعلق حدیث میں ہے کہ ایسا محبت کرنے والا اللہ کے سایہ میں ہوگا۔ اور جس کو اس کا سایہ مل جائے پھر اسے کیا چاہیئے!

حضرات اہل اللہ نے سنّت نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے محبت و اخلاص کا یہ عمل جاری رکھا اور ہزاروں، لاکھوں بچھڑے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ــــــ آج بھی اللہ کے ایسے نیک بندے موجود ہیں جن کے دستِ حق پرست پر سینکڑوں بیعت ہیں، محبت کی ایک لڑی میں موتیوں کی طرح پروئے ہوئے ہیں ــــــ مگر یہ حضرات اٹھتے جارہے ہیں، محفل خالی ہورہی ہے، پروانے پریشان ہیں ــــــ لیکن ہمت بلند رکھنی چاہیئے اور محبت و اخوت کی لاج رکھنی چاہیئے ــــــ زندگی سکون سے گزارنی ہے تو مرشدِ کامل کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے اور طلب صادق لے کر چلنا چاہیئے ــــــ اور سکون کو دائمی بنانا ہے تو اپنے بھائیوں کے لئے ایثار کرنا چاہیئے ــــــ ان کی ضرورت کو مقدم سمجھنا چاہیئے ــــــ بے بُلائے ان کی مدد کو پہنچنا چاہیئے ــــــ کوئی دل توڑے مگر تم کو دل جوڑنا چاہیئے ــــــ کوئی روٹھے مگر تم کو منانا چاہیئے ــــــ کوئی نفرت کی بات کرے مگر تم کو محبت کی بات کرنی چاہیئے ــــــ محبت بلا کی تاثیر رکھتی ہے ــــــ یہی تریاق ہے ــــــ یہی اکسیر ہے ــــــ یہی کیمیا ہے ــــــ یہی آبِ حیات ہے ــــــ آؤ محبت کے بندھن میں بندھ جاؤ ــــــ باندھنے والوں کی نگاہوں کو دیکھو ــــــ بندھنے والوں کے دلوں کو دیکھو ــــــ کیسی پُربہار فضا ہے ــــــ یہاں زندگی، زندگی معلوم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج،
ٹھٹھہ، سندھ، پاکستان

۴، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ
یکم مارچ ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضرورتِ مُرشد!

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ! خداوند تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (پ ٦ ع ١٠)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم خلاصی پاؤ"

اس آیت شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ وسیلہ کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی ایمان اور اتقا اور جہاد فی سبیل اللہ کو جیسا ضروری بیان فرمایا ہے ویسے ہی وسیلہ کا پکڑنا بھی ایک ضروری امر قرار دیا ہے بلکہ نجات کا دارومدار ہی ان چار چیزوں پر رکھا ہے۔ ایمان ہو، اتقا ہو، جہاد ہو اور وسیلہ اس کے قرب کے حاصل کرنے کے واسطے بھی ہو، جب تو نجات ہے ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنی مخلوق کیساتھ ایک خاص تعلق ہے اور ان پر نہایت درجہ کی عنایت و مہربانی ہے۔ باوجود ایسے تعلق و الطاف کے پھر بھی ہدایت کا ذریعہ رسولوں اور انبیاء ہی کو ٹھہرایا۔ کیونکہ قدرت نے جہان اور کائنات کو بغیر قواعد کے نہیں چھوڑا۔ وہاں ہدایت کے محکمہ میں بھی ایسے قواعد جاری فرمائے ہیں کہ ان کی پابندی کے بدون ہدایت کے سلسلہ کا جاری رہنا محال ہے۔ رسول خالق اور مخلوق کے مابین برزخ ہوتا ہے اور اس کو دونوں طرف

تعلق ہوتا ہے۔ دل اس کا خداوند کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم مخلوق کے ساتھ ۔ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل !! خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدّد کا اس برزخ کا یہ کام ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کی رضا پر ثابت ہونے کی ہدایت کرے ۔ عبادت کے قاعدے سکھائے اور خداوند تعالیٰ اور بندوں کے معاملات میں جو بندوں کی سیہ کاریوں کی وجہ سے پیچیدگیاں واقع ہوگئی ہوں ان کو دور کر کے معاملات صاف کردے۔ عہد رسالت کے بعد یہ خدمت خلافت کو سپرد ہوئی۔ جس کو حضرت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء نے بڑی محنت سے نباہا اور قیامت تک یہی خلفاء رسولؐ اس خدمت کو انجام دیتے رہیں گے۔ اسی گروہ کو گروہِ صوفیاءِ کرام یا پیرانِ عظام یا مرشدانِ کامل کہا جاتا ہے۔ یہی فرقہ خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہے۔ یعنی قرب الٰہی کے حاصل کرنے کے واسطے ان پیرانِ عظام میں سے کسی ایک کو وسیلہ پکڑنا طالبانِ حق کے لئے ضروری بلکہ فرض ہے۔

آیت مذکور کی تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد سے نقل کر کے وسیلہ سے مراد ذاتِ مرشد لی ہے اور جن لوگوں نے لفظ وسیلہ کے معنی قرآن شریف یا ذاتِ رسول علیہ السلام اختیار کئے ہیں ان کو شاہ صاحب یوں جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس آیت میں مومنوں کو خطاب کر کے وسیلہ کی تلاش کا حکم فرمایا ہے اور کوئی شخص جب تک قرآن شریف اور جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا۔ یعنی مومن وہی ہے جو قرآن پاک اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دل سے حق مان چکا ہوگا۔ پس وہ وسیلہ کوئی اور وجود ہوگا جس کی تلاش کا بندوں کو قرآن اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے بعد حکم فرمایا ہے۔ اور وہ مرشد کی ذات ہے جو بندے کو مولا سے واصل کر دیتا ہے۔ شریعت پر چلنے کا لوگوں کو حکم کرتا ہے۔ بدی سے روک کر لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اگرچہ ہادی حقیقی خدا کی ذات ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت کرے۔ مگر یہ بھی اس حکیم کی حکمت ہے کہ دنیا کو عالم اسباب بنا کر ہر ایک چیز کو سلسلہ

اسباب میں ایسا پابند کر دیا کہ جیسے کوئی بچّہ بغیر ماں باپ کے پیدا نہیں ہوتا اسی طرح پیر اور مرید کے تعلق کے بدوں کوئی طالب حق خدا سے واصل نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب تک کوئی پیر کامل دستیاب نہ ہو ہدایت کا حاصل ہونا محال ہے۔ یہی قاعدہ دنیا کی ہر ایک چیز پر جاری ہے۔ حضرت مولانائے روم فرماتے ہیں:۔

ہیچ کس از نزدِ خود چیزے نشد | ہیچ آہن خنجرِ تیزے نشد!!
ہیچ حلوائی نہ شد استاد کار | تا کہ شاگردِ شکر ریزے نشد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم | تا غلام شمس تبریزے نہ شد

ان تینوں بیتوں کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کچھ نہیں بن سکتا جیسے کہ کوئی لوہا خواہ وہ کیسے ہی اعلیٰ درجے کا ہو لوہار کی محنت کے بغیر تلوار نہیں بن سکتا۔ دوسرے بیت میں یوں فرماتے ہیں کہ تلوار کا بننا تو بڑا کام ہے مٹھائی جو صرف تین چیزوں (گھی چینی۔ میدہ) سے بنتی ہے۔ یہ بھی کسی حلوائی کی شاگردی کے بغیر نہیں بن سکتی۔ تیسرا بیت جو اس غزل کا مقطع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مولوی بھی جب تک شمس تبریزی کا غلام نہ بنا یہ بھی مولانائے روم کہلانے کا مستحق نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ کہ کوئی بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کام کسی دوسرے کی مدد کے بغیر اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب مٹھائی جیسی چیز بھی استاد کی مدد کے بغیر اس دنیا میں نہیں بن سکتی تو ایک خاک کے پتلے کا مقرب بارگاہِ الٰہی بن جانا پیر کی امداد کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ دوسری جگہ مولانائے روم اس طرح فرماتے ہیں:۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر! | ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
کاندریں راہ بارہا تو رفتہ! | بے قلاوز اندراں آشفتۂ!

یعنی جن راہوں میں تو ہر روز چلتا پھرتا ہے ان میں بدرقہ کی امداد کے بغیر بھول جاتا ہے تو راہِ سلوک جس کو تو نے کبھی نہیں دیکھا اور جس میں نفس اور شیطان جیسے راہزن موجود ہوں اس میں کسی راہنما کی امداد کے بغیر تو کیسے چل سکتا ہے۔ آج کل کا مشاہدہ گواہ ہے کہ اس زمانے میں وہی لوگ زیادہ تر گمراہ ہوئے جن کا کسی سلسلۂ پیرانِ عظام سے

تعلق نہ تھا۔ جن لوگوں نے کسی خلیفہ رسول ؐ یعنی پیر کامل کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا اور خود بخود اس راہ کو طے کرکے پیر بننے کی کوشش کی وہ شیطان کا شکار ہوئے۔ اور اس ہدایت شیطانی کے موافق اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن ایک نیا فرقہ جاری ہوتا ہے اور اس فرقہ کے خیالات بھی نئے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک اور احکام شریعت کو اپنے خیالات کے موافق بنانا چاہتے ہیں۔ تاویل کے پیرایہ میں تحریف قرآنی کرتے ہیں احادیث نبویہ کو اُلٹ پلٹ کر اپنی رائے کے ماتحت بناتے ہیں۔ خود ہادی بنتے ہیں۔ اس طرح سے خود گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ مرشد حق کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ان جان و ایمان کے دشمن فریبی راہزنوں سے لوگوں کو بچایا جائے۔

مرشد ایسا ہونا چاہئے جو خود کسی ایسے سلسلۂ پیران میں داخل ہو جو سلسلہ جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام تک جا پہنچتا ہو۔ جیسے تسبیح کے دانے ایک دوسرے سے مل کر ایک سلسلہ کا حکم رکھتے ہیں اور سب ایک ہی امام کے پیچھے ہوتے ہیں یا زنجیر کے حلقے جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں یا جس طرح ایک چراغ دوسرے چراغ سے روشن کیا جاتا ہے اور اس دوسرے چراغ سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا یہاں تک کہ اگر ایک ایک ہزار چراغ بھی اس سلسلہ سے روشن کیا جاوے تو ہزارویں چراغ کی روشنی میں بھی یہ عام انتقال کمی پیدا نہیں کرسکتا۔ یعنی اس چراغ میں بھی وہی نور پایا جائے گا جو پہلے چراغ میں تھا۔ اسی طرح سے آپ سلسلہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی تصور کرلیں کہ سیدنا جناب رسالتمآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سینہ کا نور سینہ بسینہ پیرانِ عظام کے سینوں میں منتقل ہوکر آیا ہوا ہے۔ یعنی جناب حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سینہ مبارک سے حضرت صدیق اکبرؓ کے سینہ میں وہ نور منتقل ہوا۔ حدیث شریف :-

مَاصَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا	جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا۔
صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ	میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا۔

اس پر گواہ ہے۔ وہاں سے سلمان پارسیؓ کے سینہ میں۔ وہاں سے حضرت امام قاسمؓ نے

لیا۔ غرض اسی سلسلہ سے میرے پیر و مرشد جناب حضرت باباجی صاحب قبلہ عالم تیراہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سینہ میں ظاہر ہوا۔ بزرگان دین کا سلسلہ تارگھروں کے دفتروں کا سا ہے۔
سارے بزرگان دین کی روحیں آپس میں تعلق رکھتی ہیں۔ ایک اسٹیشن پر اگر تار بلادی جائے تو سب تارگھروں میں وہ خبر جا پہنچتی ہے۔ یعنی ہر ایک صوفی کی روحانی برق کا تعلق تجلیات الٰہی کے سب سے بڑے دفتر یعنی دربار حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوتا ہے۔ باقی سب تار برقیاں اسی صدر کی شاخیں ہیں۔
یا یوں کہو کہ بجلی کی وہ کل جس میں بجلی پیدا کر کے انسان کے جسم میں پہنچائی جاتی ہے اس کل کو گھماؤ اور ایک آدمی کا ہاتھ اس سے لگاؤ وہ بجلی اس آدمی کے جسم میں اثر کرے گی۔ پھر اس آدمی کے ساتھ دوسرا آدمی اور دوسرے کے ساتھ تیسرا آدمی ہاتھ لگاتے جائیں تو جس قدر انسان اس برقی سلسلہ میں شامل ہوں گے سب کے جسم میں وہی تاثیر موجود ہو گی جو پہلے آدمی کے بدن میں تھی۔ اسی طرح سے جو لوگ برق محمدیؐ کے سلسلہ میں مسلسل ہیں ان کے سینوں میں بھی وہی نورِ عرفان موجود ہے جو سینہ نبویؐ میں تھا۔ پس ضروری ہوا کہ جو شخص اس نورِ عرفان کا طالب ہو وہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سلسلہ میں سے کسی سلسلہ کے پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرے ورنہ محروم رہے گا۔ کیونکہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں کے بغیر اس نورِ عرفان کا حاصل ہونا محال ہے۔
اس مضمون کی تائید میں "تفسیر روح البیان" کی مندرجہ ذیل عبارت کافی شہادت ہے۔

واعلم ان الاٰیۃ الکریمۃ صرحت بالامر بابتغاء الوسیلۃ ولابد منھا البتۃ فان الوصول الی اللہ تعالیٰ لا یحصل الا بالوسیلۃ وھی علماء الحقیقۃ و مشائخ الطریقۃ۔

(قال الحافظ)

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہی خضر مکن ظلماتست بترس از خطر گمراہی

والعمل بالنفس یزید فی وجودھا۔ واما العمل وفق اشارۃ المرشد ودلالۃ

انبیآء والاولیاء فیخلصھا من الوجود ویرفع الحجاب ولیوصل الطالب الی رب الارباب قال الشیخ ابوالحسن الشاذلی کنت انا وصاحب لی قد آوینا الی المغارۃ لطلب الدخول الی اللّٰہ واقمنا فیھا ونقول یفتح لنا غداً او بعد غدٍ فدخل علینا یوماً رجل ذوھیبۃ وعلمنا انہ من اولیاء فقلنا لہ کیف حالک فقال کیف یکون حال من یقول یفتح لنا غداً او بعد غدٍ یانفس لم لا تعتقدین اللّٰہ اللّٰہ نیہ تقطعنا وتبنا الی اللّٰہ تعالیٰ ولبعد ذالک فتح علینا فلابد من قطع التعلق من کل دوجہ لینکشف حقیقۃ الحال...الخ

"یعنی واضح رہے کہ اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے طلب کرنے کی صاف طور سے تصریح کی ہے جس سے ہرگز چارہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وصول الی اللہ بغیر وسیلہ کے ممکن نہیں اور وسیلہ سے علماء حقیقت اور مشائخ طریقت مراد ہیں اور نفس کی رائے پر عمل کرنا اس کے وجود کو زیادہ کرتا ہے لیکن مرشد کے حکم اور انبیاء اور اولیاء کی دلالت پر عمل کرنے سے نفس اپنے اخلاقِ ذمیمہ سے خلاصی حاصل کرلیتا ہے اور حجاب دور ہو جاتے ہیں۔ اور طالب رب الارباب کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے کہ میں ایک رفیق کے ساتھ ایک غار میں طلبِ خدا کے واسطے گیا۔ اور ہم آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ ہمارا کام کل یا پرسوں تک ہو جاوے گا۔ ایک دن ایک بارعب آدمی ہمارے پاس آیا اور اس کے بشرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ولی کامل ہے۔ ہم نے اس کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اس شخص کے حال کا کیا پوچھنا جو کہے کہ میرا کام کل یا پرسوں تک بن جاوے گا۔ اے نفس تو اللہ کی بندگی اللہ ہی کے واسطے کیوں نہیں کرتا۔ اس سے ہم ہشیار ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اس کے بعد ہماری مشکل آسان ہو گئی۔ بے شک برگزیدہ لوگوں کی صحبت میں شرفِ عظیم و سعادتِ عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔" انتہیٰ کلامہٗ

دوسری دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:-

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (پ ع ۷)

"(اے ایمان والو!) تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور قرآن آیا"

پس قرآن شریف تو ہم علماء ظاہر سے سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ نورِ عرفان پیرانِ عظام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کسی پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہوا۔

تیسری دلیل قرآن پاک میں ہے:-

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پ ۲۸ ع ۱۱)

"ہم نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا۔ وہ ان پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو قرآن مجید اور حکمت سکھاتا ہے"

اس آیت میں تین چیزوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک تو آیت کا پڑھنا۔ دوسرے لوگوں کو پاک بنانا۔ تیسرے کتاب اور حکمت سکھانا۔ تو دل کو پاک کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم ایسے شیخ کی تلاش کریں اور اس کی خدمت میں حاضر ہوں جس کا سینہ نورِ عرفان سے منور ہو اور کسی پیر کی توجہ سے پاک و صاف ہو چکا ہو۔

چوتھی دلیل : دنیا میں چند روزہ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا نمونہ پیشِ نظر رکھے جو ہر کام میں اس رہنمائی کا نمونہ ہو تاکہ کل امور دینی و دنیاوی میں اس کی تقلید کرے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال اس کو دیکھ کر بجا لا سکے۔ چنانچہ فقیر پچھلے سال دہلی میں تھا تو مخدومی و مکرمی جناب مولانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب[1] ٹونکی کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ آیا کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہایت ضروری ہے۔

---

[1] المتوفی ۷، نومبر ۱۹۲۰ء بھوپال (قصوری)

129019

پھر محمد زین خان صاحب اپیل نویس پشاور نے عرض کی کہ اس عمل کے ضروری ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس واسطے کہ شیخ مرید کو عملی نمونہ بن کر دکھا دے۔ اس پر انہوں نے عرض کی۔ کیا آپ کو بھی پیر کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اب مجھے بھی ضرورت ہے مثل مشہور ہے کہ "نصیحت سے مثال بہتر ہے" خداوند پاک کی قدرت کاملہ کون نہیں سمجھتا۔ جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کا کون قائل نہیں۔ مگر پھر بھی استاد اور والدین کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ ان کا ہر ایک قول اور فعل ہم پر زیادہ اثر پیدا کرتا ہے۔ اور ان سے ڈر بھی زیادہ لگتا ہے۔ کیونکہ نمونہ اور مثال پیشِ نظر رہتا ہے۔

پانچویں دلیل: قرآن پاک میں ہے:-

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (پ ع)	"قیامت کے دن تمہارا مال اور بیٹے نفع نہیں دیں گے۔ مگر اس شخص کو جو ہماری بارگاہ میں سلامت دل لائے گا"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قلب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قلبِ سلیم اور دوسرا قلبِ مریض۔ عموماً قلب تین بیماریوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ ایک تو بیماری حدیث نفس ہے۔ یعنی دل خود بخود باتیں کئے جاوے۔ جیسے کوئی آدمی ایک جگہ تنہا بیٹھا ہوا خود بخود باتیں کر رہا ہو تو جو آدمی باہر سے آدے گا اس کو ضرور پاگل تصور کرے گا۔ ایسے ہی جو دل خود بخود باتیں کئے جائے اس کو دانا لوگ دیوانہ دل کہتے ہیں۔ یہ دیوانگی ہر ایک شخص میں موجود ہے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ

غور کر کے دیکھو کہ کسی وقت جب انسان تنہا بیٹھا ہوا ہو تو دل کی طرف خیال کر کے دیکھے کہ دل کیسے کیسے خیالات دوڑاتا ہے۔ پس یہی بیماری دل کی ہے۔ حدیث شریف میں اس مرض کے دفعیہ کی تاکید موجود ہے۔ فرمایا:

مَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُحَدِّثْ فِيْهِ نَفْسَهٗ ...... الخ (مشکوٰۃ شریف)	"جو شخص دو رکعت ادا کرے اور ان میں اس کا دل باتیں نہ کرے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں"

اس پر ایک مثال صادق آتی ہے کہ ایک دن میاں شیخ چلی صاحب نماز میں کھڑے ہوئے تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس دو پیسے ہیں۔ ان کے انڈے خرید کر بچے نکلواؤں گا۔ اس طرح سے بہت سی مرغیاں ہو جائیں گی تو ان کو بیچ کر بکریاں لوں گا وہ فروخت کر کے گائے لوں گا۔ اس تجارت میں بہت سے روپے پیدا کر کے شادی کر لوں گا۔ دو بچے ہوں گے۔ ایک کا نام عبداللہ رکھوں گا۔ دوسرے کا نام عبدالرحمن۔ عبداللہ عربی پڑھ کر مولوی فاضل ہو جائے گا۔ عبدالرحمن انگریزی پڑھ کر ایم۔ اے پاس کرے گا۔ عبداللہ عربی لباس رکھے گا اور عبدالرحمن انگریزی۔ اس ادھیڑبن میں تھا کہ پیٹ میں درد اٹھا۔ درد کا اٹھنا تھا کہ وہ خیالی پلاؤ رہا اور نہ وہ نماز۔

اس مثال سے پورے طور سے خیال میں آسکتا ہے کہ ایک آدمی ایک وقت میں تین کام کر سکتا ہے۔ رکوع سجود بھی کر سکتا ہے۔ قرآن شریف بھی پڑھ سکتا ہے۔ بچے بھی نکلوا سکتا ہے۔ حقیقت میں شیخ چلی ایک نہیں تھا۔ بلکہ دو تھے۔ ایک وہ جو قرآن شریف پڑھ رہا تھا اور دوسرا وہ جو بچے نکلوا رہا تھا۔ جب تک انڈوں بچوں والا شیخ چلی نہ مر جائے تب تک نماز کامل نہیں ہوتی۔ وہ شیخ چلی والی نماز تو خدا کے ساتھ ٹھٹھا ہے کہ زبان تو اس کی حمد کہہ رہی ہے اور دل بچے انڈے نکلوا رہا ہے۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر! ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر!

قول مشہور ہے:

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْتَ مُوْتُوْا "مرنے سے پہلے مر جاؤ"

مطلب یہ کہ اس شیخ چلی کو مار ڈالو۔ مگر یہ شیخ چلی نہ تو تلوار سے مرتا ہے اور نہ بندوق سے۔ نہ کسی دوسرے ہتھیار سے۔ بلکہ اس کے مارنے کے واسطے پیر کامل کا ہونا ضروری ہے ۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظلِ پیر دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر!

اب واضح رہے کہ شیخ چلی کوئی خاص آدمی نہ تھا بلکہ ہر ایک آدمی اگر غور کرے تو وہ شیخ چلی ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس شیخ چلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ط (پ ۳۰ ، سورہ آخری)

نتیجہ یہ کہ جب تک وہ اندر سے بچے نکلوانے والا شیخ چلی مر نہ جائے، تب تک کوئی عبادت ٹھیک نہیں ہوتی۔

دوسری بیماری دل کے خطرات ہیں اور وہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ رحمانی، ملکانی، نفسانی اور شیطانی۔ ان نفسانی اور شیطانی خطرات کے دور کرنے کے واسطے بھی کسی پیر کی ضرورت ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی نگاہ کسی خوبصورت سے لڑ گئی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی اس کی صورت کا نقشہ اس کے دل میں کھنچ گیا ؎

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ!

عاشق بے چارہ ایسا محوِ نظارہ ہوا کہ دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہی ؎

در و دیوار ہمہ آئینہ از کثرت شوق!
ہر کجا می نگرم روئے ترا مے بینم

کی حالت ہو گئی۔ اس مرض کے علاج کے واسطے اگر سارے جہاں کے ڈاکٹر اور طبیب جمع ہوں تو بھی شفا محال ہے ؎

مریضِ عشق پہ رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مگر خداوند عالم نے چند مبارک وجود دنیا میں ایسے بھی پیدا کئے ہیں جو اس دَرد کی دوا کر سکتے ہیں۔ وہی پیرانِ عظام ہیں۔ کامل پیر کی ایک نظرِ توجہ سے ہی یک لخت وہ سارا خیال دل سے دور ہو سکتا ہے۔ حضرت سید بھیکھ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

؎ ست گر ایسا چاہیئے جو صقلی گر ساہو
جنم جنم کے مورچے پل میں دیوے کھو

تیسری بیماری دل کی انتقاش صورِ محسوسات ہے۔ مثلاً ایک شخص نے لاہور کی شاہی مسجد دیکھی ہوئی ہے۔ جس وقت اس کے پاس اس کا ذکر کیا جائے تو فوراً وہ مسجد اس کی آنکھوں کے روبرو دکھائی دینے لگ جائے گی یا اور کوئی خوبصورت نظارہ اگر اس نے دیکھا ہو تو اس کی شکل بھی ذرا سا غور کرنے سے اس کے روبرو آ جائے گی۔ اس بیماری کے دور کرنے کے واسطے بھی ضروری ہے کہ کوئی پیر کامل ہو جو لوگوں کے دلوں سے ایسے خیالات دور کر سکے۔ کیونکہ یہ بھی توجہ الی اللہ میں ایک روک ہے۔

چھٹی دلیل : خداوند تعالیٰ نے اس کارخانہ قدرت میں ہزار ہا امراض پیدا کئے ہیں اور ان کے علاج کے واسطے ہزار ہا ذرائع صحت مقرر کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر میں صدہا طبیب ڈاکٹر و ویدک موجود ہیں۔ تو قرین قیاس ہے کہ روحانی اور باطنی بیماریوں کے واسطے بھی ڈاکٹر اور حکیم مقرر کئے ہوں گے۔ ایسے ڈاکٹر یا طبیب خدارسیدہ لوگ ہوتے ہیں جو پیر یا مرشد کے نام سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ ان روحانی اطبا کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے اب تک برابر جاری چلا آیا ہے۔ پس ہم کو اپنے روحانی امراض کا علاج ان روحانی طبیبوں سے ہی کرانا چاہیئے۔

ساتویں دلیل : قرآن پاک میں ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (پ ۳۰ ع ۸) "گناہوں کی شامت سے ان کے دلوں پر زنگار لگے ہوئے ہیں"

حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہی کا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ دوسرا گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو دوسرا نقطہ پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کثرت کے ساتھ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر کوئی وعظ یا کلام اثر نہیں کرتا ــــ جب زنگار زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ نہ تو علم سے دور ہو سکتا ہے اور نہ وعظ سے بلکہ علماء ظاہر بھی اس زنگار کے دور کرنے سے عاری ہیں۔ اس کے صیقل کرنے کے لئے کسی مرشد کامل کی توجّہ درکار ہے۔ جو اپنی توجہ باطنی سے اس زنگار کو دور کر کے دل کو نورانی اور روشن بنا دیوے۔ مولانا تے غنیمت کنجاہی کا قول ہے ؎

کہ اسے بے پیر تا پیرت نباشد ہوائے معصیت دل سے نخراشد

آٹھویں دلیل حضرت موسٰی علیہ السّلام جو اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کو علم لدُنّی سیکھنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ حضرت خضر علیہ السّلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ یہ قصہ قرآن پاک کے پارہ پندرہ کے اخیر میں موجود ہے چونکہ حضرت موسٰی علیہ السلام اسرارِ علم لدُنّی سے بے خبر تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے۔ لڑکا مار ڈالنے۔

اور دیوار بے اجرت بنانے کے اسرار پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کرتے گئے،
حضرت خضر علیہ السلام بار بار اعتراض سے منع فرماتے گئے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام
اعتراض سے باز نہ آئے تو حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہدیا
کہ آپ اعتراض سے باز نہیں آتے اس واسطے آپ میرے ساتھ نہیں سکتے۔ ھٰذَا فِرَاقُ
بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہہ کر رخصت کر دیا۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے کاموں پر مرید
کا اعتراض کرنا اس کی محرومیت کی دلیل ہے۔ مرید صادق وہ ہے جو پیر کے حکم کو بے دلیل
مان لے ۔

بمے سجّادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزل ہا

چنانچہ جناب بھیکھ علیہ الرحمہ کے احوال میں لکھا ہے کہ آپ ایک روز مجلس عام میں
بیٹھے ہوئے تھے کہ کئی چوروں نے آکر ایک بیل اور ایک بوری غلہ گندم آپ کی نذر کر کے
بیان کیا کہ ہم لوگ چوری کو گئے تھے اور تو کچھ دستیاب نہ ہوا صرف ایک بیل پر ایک گون
(بوری) گندم لدی ہوئی ملی۔ چونکہ ہم بہت آدمی ہیں اور مال مسروقہ تھوڑا ہے۔ ہر ایک کو
پورا نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ہم وہ مال آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول فرما کر درویشوں
کو حکم دیا کہ بیل کو ذبح کر لو۔ مگر اس کا سر اور چمڑا الگ رکھنا۔ اور غلہ گندم پسوا کر روٹیاں پکوا کر
درویشوں کو کھلا دو مگر دو سیر گندم بچا کر رکھ لینا۔ حسب الحکم کھانا تیار ہوا اور درویشوں کو
کھلایا گیا۔ مگر ان درویشوں میں سے دو شخص صاحب علم بھی تھے۔ انہوں نے نہ کھایا۔
اور کہا کہ حضرت صاحب نے ستم کیا کہ چوری کا مال درویشوں کو کھلا دیا۔ ہم تو یہ حرام
مال نہ کھائیں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دو شخصوں نے حضرت صاحب کی
خدمت میں عرض کی کہ ہم نے اپنی کھیتی کا چالیسواں حصہ آپ کی نذر کیا ہوا تھا اور ایک
بیل بھی آپ کی نیت کا رکھا ہوا تھا۔ آج وہ غلہ اس بیل پر لاد کر ہم آپ کے دربار میں لا
رہے تھے کہ راہ میں وہ مال چوروں نے لوٹ لیا۔ اب آپ فرمائیں کہ وہ نذر ادا ہو گئی یا
نہیں یا ابھی ہمارے ذمہ ہے۔ آپ نے وہ غلہ جو بچا رکھا تھا اور وہ بیل کا چمڑا اور سر
منگوا کر ان کو دکھلایا اور فرمایا کہ یہ پہچانو یہ غلہ اور بیل تمہارا ہے یا اور کسی کا؟ انہوں نے

فوراً پہچان لیا اور عرض کی کہ بس یہی بیل تھا اور یہی غلّہ۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری نذر ادا ہو گئی ہے۔ تم ذرا دیر کر کے لاتے، درویش بھوکے تھے۔ چوروں نے جلدی پہنچا دیا۔ بعد ازاں آپ نے ان مولوی صاحبان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ ناحق فقیر پہ بدگمانی کر کے بھوکے رہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندوں کو حرام کبھی نہیں کھلاتا۔ یہ واقعہ دیکھ کر مولوی صاحبان بہت پشیمان ہوئے معافی کے خواہاں ہوئے۔

اصل میں ایمان یہی ہے کہ بغیر دلیل کے ہو۔ اصحاب عشرہ مبشرہ کو دیکھو کہ جن کو اس مخبرِ صادق علیہ السلام نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ ان کا ایمان ایسا مقبول ہوا کہ سارے اصحاب سے ممتاز ہو گئے۔ انہوں نے کون سا عمل کیا تھا؟ صرف یہی کہ نماز کے درمیان حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ پھیرا تو انہوں نے بھی بلا حجت ساتھ ہی منہ پھیر لیا۔ یہی عمل مقبول ہو گیا۔ شیخ کے حکم پر دلیل طلب کرنا، طالبِ صادق کی شان سے دور ہے۔ حکم مان لینا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں جانے سے بھی، پیر کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہوا۔

نویں دلیل۔ دین کا دار و مدار اور نجات کا، محبت حضرت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رکھا گیا ہے۔ وہ محبت نہ تو کتابوں میں مل سکتی ہے اور نہ علماءِ ظاہر سے۔ اس کے حاصل ہونے کے واسطے پیر کامل کی صحبت ضروری ہے۔ یہ محبت کا سبق استاد روحانی کے سوا کوئی دوسرا پڑھا نہیں سکتا ہے

عقل کے مدرسہ سے اٹھ عشق کے میکدہ میں آ — جام فنا و بیخودی ہم نے پیا جو ہو سو ہو!

مدرسہ میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو — اس کا پہلا ہی سبق یارو فنا فی اللہ ہوا!

دسویں دلیل: قرآن پاک میں وارد ہے:-

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (پ ۳۰ ع ۵)

"قیامت کے دن ہر ایک آدمی اپنے بھائی۔ ماں۔ باپ اور بیٹی بیٹے سے بھاگ جاوے گا۔"

ہر ایک اپنے حال میں گرفتار ہوگا۔ سب رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر پیر اور مرید کا رشتہ ہے کہ وہاں بھی قائم رہے گا۔ یہ رشتہ روزِ اوّل سے مقرر ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

الارواح جنود مجندۃ من تعارف منہا ایتلف ومن تناکر منہا اختلف

یعنی ارواح ایک لشکر جمع شدہ تھا۔ روزِ اوّل میں تمام ارواح (جو حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گے) اکٹھے کئے گئے تھے۔ ان میں جس جس روح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ان روحوں کی دنیا میں بھی آکر ضرور محبت ہوگی اور جن روحوں کی وہاں شناخت نہیں ہوئی ان کی دنیا میں آکر بھی ہرگز محبت نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ دونوں بھائی بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے دن ماں۔ باپ۔ بیٹا۔ بیٹی۔ بھائی۔ عورت جن کے رحموں کے تعلقات ہیں وہ سب ٹوٹ جائیں گے۔ مگر روحوں کے تعلقات ضرور قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلْاَخِلَّاۗءُ یَوْمَىِٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۝ (پ۲۵ ع ۱۲)

سب دوست اس دن دشمن ہو جائیں گے۔ مگر وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں وہ اس روز بھی دوست ہی رہیں گے۔ محبت روحانی وہی محبت ہے جو پیر کو مرید کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ محبتِ روحانی حشر کے دن ذریعہ نجات ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حشر کے دن کوئی سایہ عرش کے سایہ کے سوا نہ ہوگا۔ اس سایہ میں سات قسم کے لوگوں کو جگہ دی جائے گی۔ جن میں سے دو آدمی وہ ہوں گے جن کی دنیا میں محض اللہ کے واسطے محبت رہی ہو۔ پس اس حدیث کی رو سے پیر اور مرید دونوں زیرِ سایۂ عرش ہوں گے۔ تو ضروری ہے کہ کوئی پیر اختیار کیا جائے جس کی محبت کے ذریعے سے آفتابِ حشر سے امان ملے۔

گیارھویں دلیل: قرآن پاک میں وارد ہے:۔

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ط (پ۲۵ ع ۲)

"کیا تو نے اس آدمی کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے"

بعض آدمیوں کو کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس محبت میں محو ہو کر خدا کو بھول جاتے ہیں۔ کوئی زر کا طالب ہے کوئی شیدائے زن۔ کوئی فرزند پر مفتون۔ کوئی دیوانہ عزت و ثروت۔ کسی کو زمین سے عشق ہے اور کسی کو گھوڑی سے۔

یہ لوگ محبت میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ اصل مطلب ہاتھ سے جاتا رہتا ہے ؎

عشق بیٹھا ہے دل میں اک بت کا ۔۔۔ ہم تو یار و خدا کے بھی نہ رہے

اس پر ایک حکایت یاد آئی ہے وہ ہدیہ احباب ہے۔ ایک دن میرے استاد جناب حضرت مولانا مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم سہارنپوری[1] نے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے ایک درویش سے پوچھا کہ کہئے شاہ صاحب کیسے گذرتی ہے؟ درویش نے جواب دیا جب سے میرا خدا مر گیا ہے بہت اچھی گذرتی ہے۔ اس پر مولوی صاحب سخت برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ خدا واحد قیوم حی لایموت ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔ تو مرتد ہو گیا ہے۔ کافر ہو گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ! اس پر درویش نے آہستہ سے پوچھا کہ مولوی صاحب! آپ نے قرآن شریف بھی پڑھا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ درویش نے کہا۔ مولوی صاحب یہ آیت بھی پڑھی ہے۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ

مولوی صاحب میری مراد تو یہ تھی کہ جب سے میری خواہشیں مر گئی ہیں، میری زندگی بہت اچھی گذرتی ہے۔ اس پر مولوی صاحب سخت نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے کہ مجھے اس آیت کے معنی معلوم نہیں تھے۔ توحید اور معرفت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہ، کو خدائے برحق مان کر اس کے ساتھ دل لگایا جائے اور باقی خواہشات نفسانی دل سے دور کر دی جائیں ؎

دل آرامیکہ داری دل درو بند! ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند!

بات تو درست یہی ہے کہ دل ماسوائے اللہ سے پاک ہو جاوے۔ مگر یہ کام یعنی دنیا کی محبت کا دل سے دور کر دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے واسطے سب سے اول ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا دل دنیا کی محبت سے بالکل سرد ہو چکا ہو۔ پھر اس شخص کی خدمت میں رہنا اور اسکی اطاعت کرنا لازمی ٹھہرایا جائے تو دل دنیا کی محبت سے پاک ہو سکتا ہے۔

---

[1] المتوفی ۱۸۸۷ء (قصوری)

بارھویں دلیل : قرآن پاک میں وارد ہے :- اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط
درحقیقت سب نعمتوں سے بڑی نعمت اطمینانِ قلب ہے اور وہ سوائے ذکر الٰہی کے
حاصل نہیں ہوسکتا۔ مال و دولت ۔ جاہ و ثروت تو دل کی مزید پریشانی کا باعث ہوتے
ہیں ۔ چندانکہ غنی تر اند محتاج تر اند

ایک ہندی شاعر لکھتا ہے اور خوب لکھتا ہے ؎

نہ سکھ گھوڑی پالکی نا سکھ چتر کی چھانو — یا سکھ ہر کی بھگت میں یا سکھ سنتاں مانو

یعنی اطمینان میں نے گھوڑے کی سواری میں تلاش کیا، نہ ملا۔ پالکی میں تلاش
کیا، نہ ملا۔ تخت شاہی پر بھی اطمینان نصیب نہ ہوا اور ملا تو دو ہی جگہ ملا۔ ذکرِ الٰہی
یا صحبتِ صوفیا میں۔ اطمینان کے طالب کو ان لوگوں یعنی صوفیائے کرام کی صحبت
کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اطمینانِ قلب انہیں کے حصے میں
دے رکھا ہے۔ ان کے سوا کوئی بھی دوسرا اس اطمینانِ قلب کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔
ان کی خدمت اکسیرِ اعظم ہے۔

تیرھویں دلیل

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ط (پ ۹ ع ۱۵)	" ایماندار وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں "

اس آیت سے ایماندار کا نشان یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ کی یاد سے اس کا دل
متاثر ہو۔ جلالِ خداوندی اس کے دل کو ڈرا دیوے۔ عظمتِ الٰہی اس کے دل میں جاگزیں
ہو۔ پس ان صفات کا حاصل کرنا مومن بننے کے واسطے ہر ایک آدمی کو ضروری ہے
اور ظاہر ہے کہ یہ صفات انہی لوگوں سے مل سکتی ہیں جو خود ان کے مشتاق ہوں اور
ان صفات سے متصف ہو چکے ہوں۔ وہ سوائے پیرانِ عظام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

چودھویں دلیل : قرآن پاک میں مقربین کا خطاب مقربانِ بارگاہِ الٰہی کو عطا
ہوا ہے اور درجہ مقربین کا علمائے ظاہر سے نہایت اعلیٰ فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے

کہ بادشاہ کے نوکر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو چوکیدار جن کا فرض ہے کہ غل مچاتے رہیں اور لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں تاکہ چور گھروں میں داخل نہ ہونے پاویں۔ یہ چوکیدار اگر چپ رہیں تو مجرم ہوتے ہیں۔ یہ چوکیدار تو علماءِ ظاہر کو تصوّر کرو کہ ان کا فرض ہے کہ لوگوں کو وعظ وکلام سنا کر دین کی اشاعت میں ساعی رہیں۔ اگر عالم چپکا رہے تو حدیث شریف میں اس کو گونگا شیطان کہا گیا ہے:

دوسرے خاص نوکر ہوتے ہیں جو راز سے بھی آگاہ ہوتے ہیں اور خلوت خانہ شاہی میں بھی حاضر رہتے ہیں۔ بہت سے پوشیدہ امور ان پر واضح ہوتے ہیں۔ مگر ان کو زبان ہلانا بالکل روا نہیں۔ اگر اظہار کر دیں تو ویسے ہی مجرم ہیں جیسے کہ چوکیدار خاموشی پر۔ بقول سعدیؒ ؎

ستانند زباں از رقیبانِ راز کہ تا راز سلطاں نگویند باز

یعنی جو راز سے آگاہ نوکر ہوتے ہیں ان کی زبانیں شاہی حکم سے کاٹ لی جاتی ہیں۔ تاکہ راز افشا نہ ہو جائے۔ یہی صوفیائے کرام گروہِ مقربین ہیں جن کی زبان خاموش ہے۔ دیکھو جامیؔ کیا فرماتے ہیں ؎

دَر عَالَمِ عشق بے زبانی اولیٰ! دَر عَالَمِ فقر بے نشانی اولیٰ!

یہ رموز پڑھنے لکھنے میں نہیں آسکتے ؎

ایں مدرسہ نیست جائے آواز از سینہ بہ سینہ مے رسد راز

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

ایں علم دَرسی نہ بود در سینہ بود

یہی علم لدُنّی یا علم باطن اصل اصولِ دین و ایمان ہے۔ بغیر صحبتِ کاملاں یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ حدیثِ دل ہے ؎

حدیثِ سرِّ دل دل داند و بس زبان ولب ازاں آگاہ نباشند

؎ بر زباں قفل است ور دل راز ہا لب خموش و دل پُر از آواز ہا!

یہ علم معرفت یا نورِ ایمان صرف صاحب دلوں کی خدمت سے مل سکتا ہے۔

پندرھویں دلیل : مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ ؕ (پ ۱۹ ع ۴)

"جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لاوے اور عمل نیک کرے تو اس کے سابقہ گناہوں کو ہم نیکیوں سے بدل دیتے ہیں"

اس آیت سے مولا کی اپنے بندوں پر انتہا درجہ کی مہربانی اور عنایت ثابت ہوتی ہے کہ ایک توبہ سے سارے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور توبہ از روئے دیانت تو کافی ہے کہ بندہ خدا کو حاضر جان کر اس کے رُوبرو اپنے گناہ کا اقرار کرے اور اس سے معافی طلب کرے۔ مگر از روئے شریعت ضروری ہے کہ توبہ کا ایک گواہ بھی ہو۔ چونکہ گواہ کی وقعت پر بڑا دارومدار ہے۔ اس واسطے توبہ کا گواہ ایک کامل مردِ خدا ہونا چاہیئے اور وہی مرشد ہوتا ہے۔

سولھویں دلیل : قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ؕ (پ ۳۰ ع ۱۶)

"اس نفس کو جس نے پاک کر لیا وہ خلاصی پا گیا۔"

اب نفس کے پاک کرنے کے واسطے اس کے اخلاق ذمیمہ کو دور کرنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ نیک اخلاق سیکھے اور نفس بالطبع سختی پسند ہے۔ صلح سے اس کا راہ پر آجانا ممکن نہیں تو کوئی پاک وجود تلاش کرنا چاہیئے جس کا نفس پاک ہو چکا ہو۔ اس کی صحبت کو لازم پکڑنا اور اپنی کل خواہشوں کو اس کی خواہش کے ماتحت کر دینا چاہیئے۔ نفس اس کی وحشت اور رعب سے دبکا رہے گا۔ اور خباثت کو ظاہر نہ کرے گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اس دوسرے پاک شدہ نفس کی عادات حاصل کرنے لگے گا۔ اس آدمی کو جس کی صحبت میں بیٹھ کر نفس پاک ہوتا ہے مرشد کہتے ہیں اور مرشد کی جس قدر اخلاق ذمیمہ کے دور کرنے میں ضرورت ہے اس سے زیادہ اخلاق حسنہ کے پیدا کرنے کے واسطے احتیاج ہے۔ غرض شیخ کے بغیر انسان کا نہ تو نفس پاک ہو سکتا ہے اور نہ انسان انسان بن سکتا ہے۔

سترھویں دلیل : هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۔ اسم ظاہر کا پرتو

تو علم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اور اسم باطن کا پرتو علم باطن پر۔ علم ظاہر تو علماء ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں مگر علم باطن کہاں سے حاصل کریں۔ وہ علماء باطن سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور وہ لوگ کہ کاشفانِ اسرارِ غیب ہیں، محرمِ راز ہیں، اسرارِ باطنی سے آگاہ ہیں۔ ان کو علماء باطن بھی کہتے ہیں۔

اٹھارویں دلیل: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

"اگر تم کوئی مسئلہ نہ جانتے ہو اور نہ کوئی اور تم کو بتلا سکے تو تم ایسے مسائل اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ علماءِ باطن کے سینے میں وہ جوہر ہے جس سے علماءِ ظاہر و دیگر بنی نوع انسان بے خبر ہیں۔ کیونکہ خداوند نے اس آیت میں اہل علم کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اہلِ ذکر کا یعنی اربابِ باطن فرمایا ہے اور اربابِ باطن کے دل نورِ عرفان اور علم لدنّی کے خزانے ہیں۔ اربابِ باطن کو ہی پیرانِ طریقت کہا جاتا ہے۔

انیسویں دلیل: نفسِ امارہ کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس کی امارگی سے انبیاء علیہم السلام نالاں ہیں۔ پس نفس جو فطرتاً شریر ہے خود بخود شرارت کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک اس کا باقاعدہ علاج نہ کیا جاوے۔ اور اس کو آہستہ آہستہ مطیع نہ بنایا جاوے۔ اس کا علاج کرنے والے لوگ، وہی پیرانِ عظام ہیں جن کے علاج سے یہ نفس امارہ لوّامہ اور مطمئنہ کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور شرارتیں چھوڑ کر مطیع فرمان بن جاتا ہے، اس کا علاج کریں۔ ان کی خدمت غنیمت جاننی چاہیئے۔

بیسویں دلیل تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (پ ۲۹ ع ۷)

"فرشتے اور روح اس کی طرف ایک ایسے دن میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔"

اس آیت کے حکم سے راہِ سلوک پچاس ہزار سالہ راہ ہوئی۔ جس کو طے کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو اعمالِ صالح اور دوسرا توجہ شیخ۔ اس کی مثال

یوں سمجھ لو کہ ایک دریا ہے جس کو ہم نے عبور کرنا ہے۔ اس عبور کے دو قاعدے ہیں۔ ایک تو بذریعہ شناوری کے اور دوسرے بذریعہ کشتی کے۔ شناوری سیکھنے اور پھر اس دریائے پچاس ہزار سالہ راہ کو عبور کرنے کے واسطے عمر طویل چاہیئے۔ اور اس امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کی ہیں اور ان ساٹھ سالوں میں ہزارہا مشاغل دنیوی بھی ساتھ ہیں۔ تو ہم کیونکر اس بیکراں سمندر کو تیر کر عبور کر سکتے ہیں۔ ہم کو وہی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یعنی کسی ملاح کشتی بان کے حوالے اپنے آپ کو کر دیں اور جسطرح سے وہ پار لے جانا چاہے ہم اس میں چون و چرا نہ کریں۔

حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کسی کا یہ راستہ دس سال میں طے ہو جاتا ہے کسی کا بیس سال میں۔ کسی کا ایک سال میں اور کسی کا ایک ماہ میں بلکہ ایک دن ایک گھنٹہ میں بھی طے ہو جاتا ہے۔ مگر عنایت اور توجہ پیر پر سب کچھ موقوف ہے ؎

بے عنایات حق و خاصان حق! گر ملک باشد سیہ ہستش ورق!

اکیسویں دلیل يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (پ ۲۲ ع ۳)

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ ع ۱۱)

وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا (پ ۲۲ ع ۲)

خداوند تعالیٰ نے اوّل آیت میں کثرت سے ذکر کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

دوسری آیت میں اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ سودا خریدنے یا بیچنے اور دنیا کے کاروبار کرنے میں بھی ہماری یاد سے غافل نہ ہو جانا چاہیئے۔ تیسری آیت میں ذاکروں کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے بے شمار آیتیں قرآن شریف میں ذاکروں کی تعریف میں بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ذکر بڑی نعمت ہے۔ اور اس کا حاصل کرنا موجب رضائے خداوندی ہے۔ یہ کیونکر حاصل ہوتا ہے اس امر کا فیصلہ میرے پیر و مرشد قبلہ و کعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مفصل بیان فرمایا ہے۔

"ذکر نہیں حاصل ہو سکتا جب تک دل نہ ہو اور دل نہیں مل سکتا جب پیر نہ ہو اور پیر نہیں مل سکتا جب تک ارادت نہ ہو۔"

اس فیصلہ میں بھی مرید کی طلب اور شیخ کی ضرورت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ذکر کی حلاوت اور اس کے انوار سے ہرگز دل نورانی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی شیخ باقاعدہ ذکر کی تلقین نہ کرے تو شیخ کا ہونا نہایت ضروری ہوا جو کہ دل کو قابل بنادے پھر اس میں ذکر کا بیج بوئے۔

بائیسویں دلیل: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (پ۲۸ ع ۱۴)

"اے ایماندارو ایسا نہ ہو کہ مال اور اولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیں۔"

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے سب سے زیادہ خطرناک رکاوٹیں جو ذاکر کو ذکرِ الٰہی میں پیش آتی ہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو حبِ مال اور دوسری حبِ اولاد۔ ہم جہاں تک دیکھتے ہیں لوگ اولاد اور مال کی دھن میں کچھ ایسے لگے ہوئے ہیں کہ ذکرِ خدا سے بالکل غافل ہوگئے ہیں۔ اس خسارہ سے وہ شخص جو کسی پیر کی صحبت میں رہ چکا ہو خوب واقف ہوتا ہے غفلت چونکہ ایک خوفناک مرض ہے اس واسطے اس سے بچنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی مرشد کی تلاش کی جائے۔

تیئسویں دلیل: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ: (پ۲۲ ع ۶)

اگرچہ مفسرین نے اس آیت میں لفظ امانت کی تفسیر میں بہت سی بحث کی ہے اور مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں لیکن سب سے زیادہ مناسب اس کی تفسیر یہی ہے کہ امانت سے معرفتِ الٰہی مراد ہے جو صوفیائے کرام کے سینے میں ودیعت ہوئی ہے ؎

نخوتے دارند کبرے چوں شہاں　　　خادمی خواہند از اہلِ جہاں!

وہ امانت یہاں سے حاصل کرنی چاہیئے ؎

تا نباشی پیش شاں راکع دو تو　　　کے سپارند آں امانت را بہ تو!!!

یہ علم نیا جاری نہیں ہوا بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر اسی طرح چلا آیا ہے اور اس کے عالم بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ عالم خدا کی رحمت کے نشان تا دورِ قیامت زمین پر موجود رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اس علم نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ دنیا کے سب تعلقات چھوڑ کر اسی کی طرف ہو رہے اور رہبان بن کر پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی عمریں گذار دیں۔ لیکن حضورِ انور حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو درجۂ اعتدال پر رکھ کر حکم دیا کہ خدا کی یاد میں بندگانِ خدا کے حقوق کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ اللہ کو یاد کرو دل سے اور مخلوق کی خدمت کرو جسم سے۔ چنانچہ اب بھی صوفیائے کرام کا یہی دستور العمل ہے ؎

ایں چنیں زیبا روش کم تر بود اندر جہاں　　اندرون خو آشنا و زبرون بیگانہ وش!

اور جس قدر غوث۔ قطب۔ ولی۔ ابدال۔ اوتاد آج تک گزرے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی کی غلامی کر کے اس مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچے ہیں۔ پس مرتبۂ قرب حاصل کرنے کیواسطے کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر جہالت اور گمراہی ہے۔ ہدایت پانے کا یہی طریقہ مقرر ہے اور یہی قیامت تک رہے گا ؎

گم آں شد کہ دنبال راعی نہ رفت

چوبیسویں دلیل وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (پ ۲۵ ع ۱۰)

"جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے اس کے ساتھ ہم ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے"۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان نے دل پر پنجہ مارا ہوا ہے۔ جب کوئی آدمی پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ پنجہ دل سے چھوٹ جاتا ہے۔ لبعد ازاں جب تک پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے یا مرید کا خیال پیر کی جانب رہے تب تک اس مرید کا دل اس شیطان کے دخل سے محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ انسان کے سارے جسم کی اصلاح صرف دل کی اصلاح پر موقوف ہے تو لازم ہے کہ کسی پیر کے ساتھ تعلق پیدا کر کے دل

توجہ شیطان سے نجات دی جاوے تاکہ دل کی اصلاح ہو جاوے۔

(پچیسویں دلیل : یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ٥
(پ ۱۱ ع ۴)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادق لوگوں کے ساتھ رہا کرو"

صادقین سے مراد صوفیاء کرام ہیں۔ ان کی صحبت میں رہ کر ہم خوفِ خدا اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ قرآن شریف کی اس آیت میں بھی انہیں لوگوں کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ضمن میں مرقوم ہے۔

الصادقون هم المرشدون الی طریق الوصول فاذا کان السالك فی جملة احبابهم ومن زمرة الخدام فی عتبة بابهم فقد بلغ محبهم وتوبیتهم وقوة ولایتهم الی مراتب فی السیر الی الله وترك ما سواه قال حضرة شیخ الاکبر قدس سره الاطهر ان لم تجر فعالك علی مراد غیرك لم یصح لك انتقال عن هوائك ولو جاهدت نفسك عمرك فاذا وجدت من یحصل فی نفسك حرمته فاخدمه وکن فیها بین یدیه لیصرفك کیف یشاء لا تدبیر لك فی نفسك معه تعش سعیدا مبادرا لامتثال ما یامرك به وینهك عنه فان امرك بالحرفة فاحترف عن امره لا عن هواك وان امرك بالقعود فاقعد عن امره لا عن هواك هو اعرف بمصالحك منك فاسع یا انبی فی طلب شیخ یرشدك ویعصم خواطرك حتی تکمل ذاتك بالوجود الالهی وحینئذ تدبرك نفسك بالوجود الکشفی الاعتصامی کذا فی مواقع النجوم ط

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش ۔ سست و ریزیدہ چو آب و گل مباش
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو! ۔ ہمچو موسیٰؑ زیر حکم خضرؑ رو
شیخ راکہ پیشوا و رہبر است! ۔ گر مریدے امتحان کرد اُو خراست

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ پیر صادق وہ لوگ ہیں جو وصول الی اللہ کے طریق کے راہ نما

اور ہادی ہیں۔ اگر سالک راہ حق ان کے محبوں میں داخل ہو جائے اور ان کے آستانوں کا خادم بن جائے تو اس کو ان کی محبت حاصل ہو جائے گی اور ان کی تربیت میں داخل سیر الی اللہ اور ترک ماسوا کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔

حضرت شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے تمام امور کو کسی پاک وجود کے امر کے تحت نہ کرے تو تو ہوا و حرص کے جال سے کبھی رہائی نہیں پا سکتا۔ اگرچہ تو ساری عمر اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالے رکھے۔ پس اگر تجھے کوئی ایسا وجود مل جائے جس کی تعظیم و تکریم تو اپنے نفس میں پاوے تو اس کی خدمت لازم پکڑ۔ اور اپنے آپ کو اس کے سپرد ایسے کر دے جیسے کہ میت غسال (میت نہلانے والے) کے بس میں ہوتی ہے۔ وہ جسطرح چاہے تجھ میں تصرف کرے تو اپنی سب تدبیریں چھوڑ دے۔ تیرا اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا عین سعادت ہے۔ تجھے چاہیئے کہ جو وہ امر کرے فوراً اس کی تعمیل کرے اور جس بات سے وہ منع کرے اس سے ہٹ جاوے۔ اگر تجھ کو کسب کے لئے حکم کرے تو اس کے حکم سے کسب کرے نہ اپنی خواہش نفسانی سے اور اگر تجھ کو کسب کے ترک کرنے کا حکم دے تو اس کے حکم سے ترک کر نہ اپنی مرضی سے۔ کیونکہ وہ تیری بہتر لوں کو تجھ سے بہتر جانتا ہے۔ پس اے فرزند! شیخ کی تلاش میں سعی کر جو تیری رہنمائی کرے اور تجھ کو خواہش نفسانی سے بچائے۔ یہاں تک کہ تیرا نفس پاک ہو جائے۔ انتہی کلامہ

چھبیسویں دلیل: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (پ۲۶ ع ۹)

"اے رسولؐ جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں وہ ہماری ہی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے"

سلسلہ میں بیعت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی طالب کسی پیر کے ساتھ بیعت کرتا ہے اور پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے تو اس کا ہاتھ سلسلہ میں مسلسل ہو کر جناب رسالتماب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ہاتھ میں پہنچتا ہے۔ جب کہ طالب رسول علیہ السلام کے ہاتھ میں ہاتھ دے چکتا ہے تو اس آیت کے حکم سے اس کا ہاتھ خدا کے دستِ قدرت میں پہنچ گیا۔ یا دنی

فائدہ پیر سلسلہ کے ساتھ بیعت کرنے کا ہے۔

ستائیسویں دلیل

تَعْبُدُ اللّٰہَ کَاَنَّكَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاكَ (حدیث شریف)

"اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر یہ مرتبہ تجھ کو حاصل نہیں تو یہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو دیکھتا ہے"۔

یہ حدیث شریف صحیح مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔ شریعت میں اس کو علم احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس علم احسان کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی پیر و مرشد کے پاس حاضر ہو کر ان سے یہ علم حاصل کیا جائے۔ کیونکہ یہ علم بغیر پیران عظام کی خدمت میں حاضر ہونے کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

اٹھائیسویں دلیل: حدیث شریف۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔

حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ فِیْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ لَوْ بَثَثْتُ فِیْكُمْ لَقُطِعَ ھٰذَا الْبَاحُوْمُ مِنِّیْ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ (رواہ البخاری)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم لئے۔ ان میں سے ایک تو تمہارے درمیان ظاہر کرتا ہوں اور اگر دوسرا ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ لیا جائے"۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک علم باطنی ہے، دوسرا علم ظاہری۔ علم ظاہری تو عالمانِ ظاہری سے حاصل کر سکتے ہیں لیکن علمِ باطنی عالمانِ باطنی کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ کسی پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ علم بھی حاصل کیا جائے۔ اگرچہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں بندگانِ خدا کا ملنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مگر طلب اور جستجو ضروری ہے۔ جو شخص طالب راہ خدا ہو گا، خداوند کریم اس کو خود رہبر ملا دے گا۔ فقیر کے دل میں ایک دن خیال آیا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ صدہا بندگانِ خدا یعنی اولیاء اللہ زمانہ میں موجود تھے۔ جہاں طالبانِ علم باطن چاہتے تھے حاضر

ہو کر مستفید ہو سکتے تھے اور اپنی مشکلات کے واسطے دعائیں کرا سکتے تھے اور اپنی کسی مصیبت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دل کی تسلّی و اطمینان کر سکتے تھے اور ایک یہ زمانہ ہے کہ لاہور اور امرتسر جیسے بڑے بڑے شہروں میں جن میں قریباً تین لاکھ کی آبادی ہے۔ ایک بھی ایسا متبرک وجود بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک دن وہ بھی آجائے گا کہ مختلف مقامات میں جو بعض متبرک وجود عالمان علم باطن موجود ہیں ان کا بھی ملنا مشکل ہو جائے گا۔ طالبانِ راہ خدا کو لازم ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم باطن حاصل کر کے اور حوادثاتِ زمانہ سے محفوظ رہیں۔ ؎

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

انتیسویں دلیل : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا ہے کہ:

علم دو ہیں، ایک وہ علم ہے جو زبان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایک وہ جو دل سے تعلق رکھتا ہے اور فرمایا کہ یہ دوسرا یعنی دل کا علم زیادہ نافع اور ضروری ہے پس زبان کا علم تو عالمانِ ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر علم قلب سوائے عالمانِ باطن یعنی صوفیائے کرام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

علم خوانی ہم طریقش قولی است !! حرف آموزی طریقش فعلی است !!

فقر خواہی او بصحبت قائم است نے زبانت کار مے آید نہ دست

مختصر یہ کہ علم قلبی یعنی علم باطن صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام فقر یعنی علم باطن ہے جس کے واسطے پیر و مرشد کی ضرورت ہے۔

اب میں اس مضمون کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ خداوند کریم اس کو قبول فرمائے اور اس مختصر تحریر کو طالبانِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ بحرمت النبی و آلہ الامجاد

؎ اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُریدِ صادق

اگرچہ لفظ مرید ایک ایسا عام فہم لفظ ہے جو روزانہ بول چال میں بے تکلف استعمال میں آتا رہتا ہے۔ لیکن لغت میں مرید کے معنی ارادہ کنندہ کے ہیں۔ بلا تمیز اسبات کے کہ ارادہ کنندہ کا نیک ارادہ ہو یا نہ ہو اور اصطلاح صوفیائے کرام میں تو اس لفظ کے اس قدر وسیع معنے لئے گئے ہیں جن کے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ حضرات صوفیا کے نزدیک مرید اس شخص کو کہتے ہیں جو سچی ارادت لے کر وصول الی اللہ کی غرض سے کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو اس کے ہاتھ پر بیچ ڈالے۔ یعنی اپنی کل خواہشیں اور ارادے شیخ کی خواہشوں اور ارادوں میں فنا کر دے اور تا وقتیکہ اپنے مقصد حقیقی یعنی ذات باری عز اسمہٗ کو نہ پالے چین سے نہ بیٹھے۔ صوفی دنیا کا ایک مقولہ مشہور ہے۔ المرید لا یرید الا اللہ۔ یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کے سوائے کسی دوسری شے کی خواہش نہ ہو۔ مرید کی دو قسمیں ہیں۔ مرید اسمی اور مرید حقیقی۔ مرید اسمی وہ ہے جس کو پیر تلقین کرے کہ مذہب سنت والجماعت پر قائم رہو۔ دیکھی اور سنی ہوئی ناجائز باتیں چھوڑ دو۔ اور مرید حقیقی وہ ہوتا ہے جس کو پیر تلقین توبہ ارادت کے وقت حکم دے کہ تم ہماری صحبت میں رہو اور ہم تمہاری صحبت میں رہیں گے۔ مرید حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مرید اور مراد۔ مرید وہ ہوتا ہے جو مجاہدے اور ریاضت وعبادت سے پیر کو خوش کرنے کی کوشش کرے اور ہر وقت پیر کی رضا جوئی میں مصروف رہے۔ مراد وہ ہوتا ہے۔ جس کی رضا پیر تلاش کرے اور اس کی لغزش پر بلا مواخذہ اسے مطلع کر دیا جائے۔ اس کی تھوڑی عبادت کو زیادہ قبولیت دیجا دے۔ غرض مرید محب ہوتا ہے اور مراد محبوب۔ مرید عاشق ہوتا ہے۔ اور مراد معشوق۔ مرید طالب ہوتا ہے اور مراد مطلوب۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ

کے سوا کسی دوسری غرض کے لئے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہ فی الحقیقت مرید نہیں ہوتے۔ البتہ بار بار حاضر ہونے سے شیخ کی روحانیت کا فیض ان پر اپنا اثر کرتا رہتا ہے اور رفتہ رفتہ اس سلسلہ وار تاثیر سے اس مرید کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار شیخ کی برکت سے وہ شخص بھی حقیقی مرید کہلانے کا حق دار ہو جاتا ہے۔ لیکن اس بوجھ کے اٹھانے والا یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرنے والا آدمی دھن کا پکا ہونا چاہیئے۔ محبوب سبحانی غوث صمدانی امام ربانی قطب الاقطاب مرجع شیخ وشباب، عالیجناب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں "دریں راہ اندکے جنوں ہم درکار است"۔ یعنی اس راستہ میں قدم رکھنے والے کے لئے قدرے جنون کی بھی ضرورت ہے" جس سے مراد یہ ہے کہ رستے کا کوئی حادثہ یا ملامت کرنے والے کی طعن وتشنیع یا جان و آبرو کا خوف غرض کوئی بڑی سے بڑی روک بھی اس کو اس رستہ سے نہ روک سکے۔ امام العاشقین حضرت سرمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو ایک عجیب وغریب رباعی میں یوں منظوم فرماتے ہیں۔

در مذبح عشق جز نکو را نکشند !! — لاغر صفتاں وحیلہ جو را نکشند
گر طالب صادقی زکشتن مگریز! — مردار بود کسیکہ او را نکشند

یہی مضمون ایک دوسری رباعی میں حضرت سرمد علیہ الرحمۃ یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز پر پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار — سرمد ایں دولت ہمہ کس را ندہند

مختصر مطلب ان رباعیوں کا یہ ہے کہ عشق کے مذبح میں ذبح ہونے کے لائق ہمت اور استقلال والے قرار پاتے ہیں۔ پست ہمتوں اور بھگوڑوں کو وہاں بار نہیں ملتا۔

غرض یہ وہ کڑی منزل ہے۔ جسمیں راہرو کو دل نہ چھوڑ دینا چاہیئے اور اس بحر ناپیدا کنار میں کمر ہمت مضبوط باندھ کر کود پڑنا چاہیئے۔ بلبل شیراز بوستان میں یوں نغمہ طراز ہے

؎ طلب گار باید صبور وحمول — کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول
کہ زرہا بخاک سیاہ در کند — کہ باشد کہ روزے مسے زر کند

یعنی مرید صادق اور طالب مولا کو کم از کم مہوّس کا سا استقلال تو رکھنا چاہیئے جو ایک موہوم امید پر اپنا سارا مال و دولت جلا کر خاک کر دیتا ہے اور بار بار کی ناکامی اس کے حوصلے کو پست نہیں کر سکتی اور جس شئے کو اپنا مقصود ٹھہرا رکھا ہے، اس سے کبھی منہ نہیں پھیرتا۔ اسی طرح امرتسر میں ایک درویش نے فقیر کے پاس آ کر اپنی ایک باطنی مشکل بیان کی اور اس مشکل کے حل ہونے کے واسطے فقیر سے دعا کا خواہاں ہوا۔ مرید وہ درویش کسی دوسرے بزرگ کا تھا۔ فقیر نے اسے ایک وظیفہ بتلا کر رخصت کر دیا۔ دوسرے ہی دن علی الصبح وہ درویش نہایت خوش و خرم فقیر کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ الحمد للہ آپ کی دعا سے خدا تعالیٰ نے آج رات میری وہ مشکل حل کر دی۔ میں آپ کا بڑا مشکور ہوں۔ بڑا ممنون ہوں لیکن کیا کروں خدا تعالیٰ نے مجھے ایک ہی سر دیا تھا۔ جس کو میں ایک جگہ بیچ چکا ہوں۔ دوسرا سر ہوتا تو میں ضرور آپ کی نذر کرتا۔ اس درویش کے اس فقرے پر فقیر عش عش کر گیا۔ باوجودیکہ اس کیساتھ فقیر نے سلوک بھی کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی مشکل بھی حل کر دی۔ لیکن جس دروازے کو وہ اپنی توجہ کا مرکز ٹھہرا چکا تھا۔ اس کی طرف سے خیال یا توجہ کو سر مو لغزش نہ ہوئی۔

سایہ حق بر زمین فرزند حضرت سید المرسلین سراج الہدےٰ خواجہ ارجمند شہنشاہ مشکلکشا نقشبند بخاری رضی اللہ عنہ، اپنے حالات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن سرِ شام میرے دل میں اپنے پیر و مرشد خواجہ عالیجاہ آیتٌ من آیت اللہ محبوب حضرت ایزد متعال سید السادات حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کا شوق غالب ہوا۔ بے تاب ہو کر گھر سے نکلا اور در دولت کی طرف بے اختیار روانہ ہوا۔ رستے میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام ملے اور مجھے ایک محبت آمیز لہجہ میں پکارا کہ بہاؤ الدین کہاں جاتے ہو۔ ذرا ٹھہر جاؤ! مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میں نے توجہ نہ کی اور اپنی رفتار کو بدستور جاری رکھا انہوں نے کئی دفعہ پکارا۔ مگر میں نہ ٹھہرا۔ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ میر کلال قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا بہاؤ الدین! آج تمہیں حضرت خضر علیہ السلام ملے مگر تم نے توجہ نہ کی۔ میں نے نہایت مؤدبانہ طریق سے عرض کی۔ کریا حضرت! جو حضور کے رخ پر نور کو دیکھ چکا ہو اس کو خضرؑ سے کیا کام۔ سبحان اللہ!

یہ ہے مریدی اور یہ ہے ارادت ۔

فخرِ زمان حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جس کو اگر ہزار ذلت اور ہزار رسوائی کے ساتھ شیخ اپنی مجلس سے نکال بھی دے تو بھی اس کے دل میں شیخ کی عظمت و محبت ذرّہ بھر کم نہ ہو۔ بلکہ نقصان کی بجائے اس محبت میں اور ترقی ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے حضور بیٹھا ہوا تھا مجلس خوب گرم تھی کہ شیخ نے مجھے نہایت بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں نے تعمیل ارشاد کی اور مریدانہ آداب کے ساتھ مجلس سے اٹھ کر چلا آیا لیکن اس کے بعد میں نے عہد کر لیا کہ جب تک زندہ رہوں گا شیخ کے دروازے پر پڑا رہوں گا اور شیخ کے حکم کے بغیر وہاں سے کبھی غیر حاضر نہ ہوں گا۔ ایک مدت تک میرا یہی حال رہا کہ آستان شیخ پہ رات دن حاضر رہتا تھا۔ آخر اس طبیب قلبی نے جب میری یہ استقامت دیکھی تو مجھے اپنے حضور میں طلب فرمایا اپنا مقرب خاص بنایا اور وہ عنائتیں کیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔

سراج السالکین حضرت خواجہ محمد صالح بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ خواجگان خواجہ بلاگردان ہادیٔ گمراہان عالیجناب حضرت خواجہ بہاؤ الحق والدین المعروف بشاہ نقشبند رضی اللہ عنہ کے مرید با اخلاص اور خلیفہ خاص ہیں۔ اپنی کتاب انیس الطالبین میں جو انہوں نے اپنے شیخ کے حالات میں لکھی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ میرے پیرو مرشد فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے احوال میں ایک دن مجھے اپنے شیخ و مولا سیدنا حضرت امیر کلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر سے نکلا۔ آفتاب مجھے رستے میں ہی غروب ہو گیا۔ اور برف بھی پڑنی شروع ہو گئی۔ دربار شریف پہنچکر میں نے آستان بوسی کی اور حجرۂ خاص میں قدمبوسی کے واسطے حاضر ہوا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مزاج شریف کا اس وقت کیا حال ہے۔ پوچھا کون ہو۔ میں نے عرض کی بہاؤ الدین۔ شانِ بے نیازی۔ مجھے تو کچھ ارشاد نہ ہوا خادم خاص کو بلا کر حکم دیا کہ اس کو اسی وقت میری خانقاہ سے باہر نکال دو۔ اس نے فقیر کے مکان کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ خادم نے فوراً تعمیل ارشاد کی اور مجھے جھٹ خانقاہ سے پکڑ کر نکال باہر کیا۔ میں نے اپنے نفس کے ساتھ صلاح کی کہ یہاں سے تو تم نکلوا دیئے گئے ہو۔ اب جہاں

کہیں چلنا ہو چلو۔ میرے نفس نے چاروں طرف نگاہ کی تو خدائے تعالیٰ کی اس وسیع زمین میں کوئی ٹھکانہ نظر نہ آیا۔ آخر یہی صلاح ٹھہری کہ کہاں کا جانا اور کہاں کا آنا۔ اس آستانہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ ٹھان کر میں نے باہر کی دہلیز پر سر رکھ دیا۔ اور رات بھر وہیں پڑا رہا۔ برف بھی رات بھر نہ تھمی۔ صبح تک مجھ پر برف کا ایک خاصا ڈھیر لگ گیا اور میں سردی سے بے ہوش ہوگیا۔ پچھلی رات جو حضرت اتفاقاً باہر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اپنا قدم مبارک دہلیز پر رکھا تو خدا کی شان آپ کا قدم مبارک میرے ہی سر پر آگیا۔ حضرت نے درویش کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ چراغ لاکر دیکھو کہ دہلیز پر یہ کیا ہے۔ خادم چراغ لایا تو حضرت کی حق شناس نگاہیں میرے بیہوش چہرے پر پڑیں۔ اپنے دست خاص سے میرے سر کو اٹھایا اور خادموں کی مدد سے مجھے اپنے حجرۂ خاص میں لاکر لٹا دیا اور میرے جسم کو گرم کرنا شروع کیا۔ مجھے ہوش آئی تو میں حضرت کو اپنے پاس کھڑے دیکھ کر سخت نادم ہوا اور قدموں پر گر کر معافی کا خواستگار ہوا۔ حضرت امیر نے جو جو عنائتیں اور شفقتیں اس وقت مجھ پر مبذول فرمائیں وہ احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہیں حضرت خواجہ محمد صالح ؒ جو اس روایت کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ اپنا یہ واقعہ مجلس خدام میں بیان فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ میں بھی جب صبح اٹھتا ہوں تو پاؤں کے ساتھ اپنی باہر کی دہلیز کو ٹٹولتا ہوں کہ دیکھوں اس دہلیز پر بھی کسی ارادت مند کا سر تو نہیں۔ افسوس آج تک میری دہلیز پر کسی ارادت مند کا سر نہ پہنچا۔

حضرت ابوالعباس ابن مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ مرید صادق وہ ہے جس کو دنیا و مافیہا میں سے شیخ سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہو۔ یعنی تمام اشیاء سے بڑھ کر شیخ اس کو محبوب ہو۔ کیوں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اس کے مال اس کی اولاد اس کی جان یہاں تک کہ دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے اور یہ حدیث شریف سلسلہ بہ سلسلہ وراثت شیوخ کے بارے میں بھی ہے۔ لہٰذا وہ حکم سابق یعنی مرید صادق کے نزدیک شیخ کا تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تر ہونا ثابت ہوگیا۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو اپنے شیخ کے ساتھ

کسی قسم کا اختلاف نہ کرے اور شیخ اگر کسی امر کو ظاہر نہ فرمائے تو مرید اس کے دریافت کرنے پر اصرار نہ کرے بلکہ مجلسِ شیوخ و علمائے طریقت میں مرید کو اس طرح ادب کے ساتھ خاموش بیٹھنا چاہیئے کہ دیکھنے والا خیال کرے کہ یہ شخص اہلِ مجلس کی گفتگو سے بالکل ناواقف ہے۔ اور یہ طریقہ یعنی مجالسِ شیوخ میں باادب خاموش بیٹھے رہنا مرید کو اس وقت تک قائم رکھنا واجب ہے جب تک کہ وہ کاملین کے درجے تک نہ پہنچ جائے اور اپنے شیخ کی طرف سے اس کو مجالسِ شیوخ میں گفتگو کرنے کی اجازت نہ مل جائے۔ سچ ہے۔ کسی مرید صادق نے کیا خوب کہا ہے ے

چو درسِ عشق میخوانی کتابِ نطق را طے کن کہ اربابِ محبت را زبانِ بے زباں دارد!!

یہی حضرت یعنی جناب داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو اپنے مولا حقیقی کے خوف و حیا کی وجہ سے ایک قدم بھی خواہشِ نفسانی کے پیچھے نہ چلے۔

سلطان العارفین برہان الکاملین امام العاشقین سیدنا حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جس سے عورت کی شہوت بالکل منقطع ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ مرید عورت اور دیوار میں بھی تمیز نہ کر سکے اور اسباب کی اسے مطلق پرواہ نہ ہو کہ اس کا استقبال کسی دیوار نے کیا ہے۔ یا عورت نے۔ یہی جناب ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ آدابِ شریعت میں سے کسی مستحب کو بھی حتی الامکان عمداً ترک نہ کرے۔ ہاں سہواً ادائے مستحب میں قصور ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت یونس ابن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نوجوان لڑکوں کی محبت، منہیات کی مباشرت اور عورتوں کے ساتھ دوامی موافقت یہ سب مرید کی بربادی کے اسباب ہیں۔ فرمایا جو مرید عزیمت چھوڑ کر رخصت کے درپے ہوتا ہے۔ وہ دعویٰ ارادت میں کاذب ہے

حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مرید کاذب کی یہ علامت ہے کہ سماع کو حد سے زیادہ دوست رکھے اور سماع سننے کے وقت وہ اس درخت کی مانند ہو جاوے جس کا سارا پھل پک چکا ہو اور ایک ہی بار حرکت دینے سے وہ سارے کا سارا پھل گر پڑے۔

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ جب وہ اپنے شیخ کے حضور میں جائے تو شیخ کا رعب و ہیبت اس پر ایسا غالب ہو کہ گویا وہ ایک جابر بادشاہ کے سامنے جاتا ہے اور جب تک حضور میں حاضر رہے۔ ہر دم لرزاں و ترساں رہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو ادھر اُدھر کی بیہودہ قیل و قال اور محبت دنیا کو ترک کردے۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو حالت سماع و وجد میں طریق سنّت کو نہ چھوڑے اور جس نے حالت سماع میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے وہ منافق ریاکار اور کاذب ہے۔

حضرت ابن صائغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو اپنے مولا حقیقی کے سوائے کسی شخص کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اگرچہ اسے بار بار خطاب بھی کیوں نہ کیا جاوے۔

حضرت ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ جو مرید لہو و لعب سننے کی رخصت طلب کرے وہ کاذب ہے۔

حضرت ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ جب کبھی بازار کی طرف نکلے تو اپنی آنکھوں کو بند رکھے۔ یا اپنے چہرے پر چادر ڈال لے اور چلتے وقت اپنے قدموں کے سوائے دوسری طرف نظر نہ ڈالے۔

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ مرید صادق وہ ہے جس کا نفس رخصتوں اور تاویلات رکیکہ کا پابند نہ ہو۔ بلکہ سنّت اور عزیمت پر کاربند رہے۔

حضرت نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو مرید ہر وقت عورتوں کے ساتھ مجالست اور صحبت رکھے۔ وہ کاذب ہے۔ اس لئے کہ جب تک شیوخ کاملین کا وجود باقی ہے تب تک امر و نہی حلت و حرمت کا سلسلہ بھی جاری رہے گا اور حلال کو اپنی جگہ اور حرام کو اپنی جگہ قائم رکھنے کا ہر ایک کو حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ مرید صادق کی یہ بھی علامت ہے کہ جب کبھی اس کو اور اس کے شیخ کو کسی دعوت میں مدعو کیا جاوے تو مرید شیخ سے پہلے وہاں

پہونچ کر بوجہ بے صبری کے کھانا نہ کھا دے۔ کیونکہ شیخ سے پہلے وہاں پہنچکر کھانا کھانا بھی خلاف آداب شیخ ہے

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جو مرید داخل طریق ہونے سے پہلے جن لوگوں کے ساتھ صحبت رکھتا تھا۔ بعد داخل طریق ہونے کے بھی انہی پہلے دوستوں کے پاس جاکر بیٹھے اور ویسے ہی صحبت رکھے جیسے کہ داخل ہونے سے پہلے رکھتا تھا تو وہ مرید ارادت میں کاذب ہے۔

فرمایا۔ جس مرید کو مجاہدے کی عادت نہیں اس کو طریقت سے مس نہیں۔

فرمایا۔ دونوں جہان کی سعادت حاصل کرنے کے واسطے دوام ذکر سے بڑھ کر کوئی رہنما نہیں۔ پس جس شخص کو دوام ذکر کی توفیق دی گئی ہے۔ اسے میدان ولایت کا علمبردار بنایا گیا۔

فرمایا یاد خدا ایک ایسی تلوار ہے جس سے مرید اپنے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور جو بلائیں اس پر حملہ کرتی ہیں۔ ان کو دور کرتی ہے۔

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے جو مرید اس امر کی تمنا کرے کہ حضرت اولیاء اللہ کے احوال میں سے کوئی حال بغیر مجاہدہ کے منکشف ہو جاوے تو وہ غلطی پر ہے۔

سراج العاشقین سلطان العارفین سیدنا حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے مرید صادق وہ ہے جو حرص نفسانی کو چھوڑ کر تمام مخلوق کو مردہ خیال کرے اور ان پر جنازے کی چار تکبیریں پڑھ دے تاکہ اس کا دل مقصود حقیقی کے سوائے کسی دوسری شے کی طرف مائل نہ ہو۔

حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے جوانو! عبادات میں خوب کوشش کرو قبل اس کے کہ تم میری طرح بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارا نفس مجاہدہ سے جی چرانے لگے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے اول درجہ کے مرید ہیں فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدے عبادت و ریاضت کو اس وقت بھی نہیں پہنچے۔ یعنی بڑھاپے کی حالت میں بھی وہ اس قدر عبادت کرتے ہیں کہ ہم باوجود جوان ہونے کے بھی اس قدر عبادت نہیں کر سکتے۔

حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مرید صادق کو یہ تین باتیں اپنے اوپر لازم کر لینی چاہئیں۔ اول سخت بھوک کے وقت کھانا کھائے۔ دوم غلبہ خواب کے وقت سوئے۔ سوم بغیر ضرورت کے بات نہ کرے۔

حضرت ابن المجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مرید اپنے نفس کی بڑائی کرے اور دوسروں پر اس کو ترجیح دے۔ وہ شیطان ہے اور دعوائی ارادت میں کاذب ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مرید عام لوگوں کی عادتوں کی طرف میلان ظاہر کرے اور خواہشات نفسانیہ کی طرف جھک پڑے وہ جھوٹا ہے

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مرید صادق کی یہ علامت فرماتے ہیں کہ اس کا ایک سانس بھی رات اور دن میں یادِ خدا کے بغیر نہ گذرے اور فرماتے ہیں مرید صادق ہر حالت میں یادِ خدا میں مشغول رہتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے دل میں اس ذکر کی حلاوت محسوس نہ کرے۔

حضرت ابن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ مرید صادق کی یہ نشانی بتاتے ہیں کہ اگر اس کا شیخ اس کو گرم تنور میں داخل ہونے کا حکم دے تو وہ بغیر چون وچرا اس میں داخل ہو جائے اور داخل ہو کر ہائے میں جل گیا تک زبان سے نہ نکالے۔ اگر یہ کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا تو وہ کاذب ہے۔

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو تیس سال تک اپنے بائیں ہاتھ کے فرشتے کو تکلیف نہ دے۔ یعنی اس کے بائیں ہاتھ کا فرشتہ برابر تیس سال تک اس کا گناہ بھی نہ لکھے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ مرید کاذب کی یہ علامت فرماتے ہیں کہ وہ مرید اپنے رات کے جاگنے کو شیخ کی نیند سے افضل سمجھے اور مرید صادق کی یہ علامت بتلاتے ہیں کہ شیخ کی ریاکاری کو اپنے اخلاص سے بہتر تصور کرے۔

حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ارادت میں صادق ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے پھر تین دن کھانے کے بغیر صبر نہیں کر سکتا تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا ہے۔

حضرت ابراہیم ابن شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید رخصتوں کو لازم پکڑے گا

وہ تباہ ہو جاوے گا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید صادق کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئیے کہ اس کا شیخ اس کے قلب کا جاسوس ہے۔ اس کے دل میں داخل ہو کر اس کے تمام حالات سے واقف ہو جاتا ہے اور اس طرح دل سے ہو کر نکل جاتا ہے کہ خیال میں نہیں آتا۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ جب بیٹھے تکیہ لگا کر نہ بیٹھے اور فرماتے ہیں کہ فقراء بادشاہ ہیں جو مرید ان کی صحبت بغیر اخلاص اور صدق کے کرتا ہے اس کو قتل کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ مرید صادق پر لازم ہے کہ اس بات کو ہر وقت مدنظر رکھے کہ اس کی بے ادبی کی وجہ سے اس کو شیخ کے دل میں اس کیطرف سے کسی قسم کی ناراضگی پیدا نہ ہو جاوے۔ کیونکہ مرید پر ضروری ہے کہ اس کا کوئی فعل بغیر رضاء شیخ کے وجود میں نہ آئے۔ ورنہ سخت اندیشہ ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید اپنے شیخ پر اعتراض کرے وہ شخص دعویٰ ارادت میں کاذب ہے اگرچہ وہ اعتراض مرید کے دل سے زبان تک نہ بھی پہنچے اور جملہ مشائخ کرام کا اس بات پر اجتماع ہے کہ مرشد اور استاد کے عاق کی توبہ قبول نہیں۔ پس جو شخص ان کے ساتھ بعیت کر کے ان پر اعتراض کرتا ہے وہ بعیت سے خارج ہو جاتا ہے اور طریقہ سے نکل جاتا ہے اور سلسلہ مشائخ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید شیخ کے حکم پر کیوں کہے وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا اور فرماتے ہیں جو مرید ارادت میں صادق ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے شیخ کے پاس بہت سا مال ہو جس کو وہ مساکین میں بانٹ دے اور اس مرید کو باوجود محتاج اور فاقہ کش ہونے کے کچھ نہ دے تو وہ مرید اگر مال نہ ملنے کی حالت سے زیادہ خوش ہو تو صادق ہے ورنہ کاذب اور خیانت کنندہ کیونکہ اس نے اس امر پر بعیت کی تھی کہ شیخ کے ہر فعل پر خوش اور اس کے ہر حکم کے ماتحت رہے گا۔ اب جب مال نہ ملنے کی حالت میں یہ خوش نہیں ہوا تو اس نے عہد صحبت کو توڑ ڈالا۔ اس لئے کہ اس کا شیخ اس کو مال نہ دینے پر خوش تھا تو اس مرید کو دوبارہ توبہ کرنا لازم ہے۔ اس کے شیخ کو اختیار

ہے اس کی توبہ قبول کرے یا نہ کرے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس مرید کو اس کا شیخ نماز روزہ قراءت قرآن درس وتدریس یا کوئی حرف سیکھنے کا حکم دے یا بعض باتوں سے منع کرے اور وہ مرید ان حکموں میں سے کسی حکم کے بجالانے یا ممنوعات میں کسی امر سے باز رہنے میں کدورت ظاہر کرے تو وہ مرید حضرت خداوند ذوالجلال اور حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمانبردار ہے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے کسی روزے دار مرید کو فرمایا کہ آج ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھالو اور روزہ افطار کردو۔ تمہیں ایک دن کے روزے کا پورا اجر مل جاوے گا۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہفتہ بھر کے روزوں کا ثواب مل جاوے گا اس نے یہ بھی قبول نہ کیا۔ آپ نے سال بھر کے روزوں کے ثواب کا وعدہ کیا وہ پھر بھی نہ مانا۔ آخر آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی رعائت اور عنایت سے دور جا پڑا ہے چنانچہ اس مرید نے وہاں سے نکلتے ہی چوری کی اور اس کا ہاتھ اس جرم میں کاٹ دیا گیا۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو مرید اپنے شیخ کے دعوے کی تصدیق نہ کرے بلکہ اس کو حقیر اور ذلیل خیال کرے تو وہ مرید شیخ کی تمام برکتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

فقیر راقم الحروف کے نزدیک مرید صادق کی یہ تعریف ہے کہ پیر کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھے۔ پیر کے فرمان کو فرض کے برابر سمجھ کر اس کے بجالانے میں سر مو فرق نہ کرے اپنی جان ومال اولاد سے اس کے فرمان کو عزیز سمجھے۔ مستحب کو فرض سمجھ کر اس کے ادا کرنے میں کوشش کرے۔ اس کے روبرو اگر اس کے شیخ کی اہانت کی جاوے تو اس کو اس قدر رنج پہنچے کہ اپنی جان تک دینے میں بھی دریغ نہ کرے اور اپنے پیر ومرشد کو ساری دنیا کے مشائخ سے افضل سمجھے۔

بعض اشخاص جو مرید نہیں بلکہ مرید کے لفظ کو بدنام کرنے والے ہوتے ہیں۔ انکو یہ بری عادت ہوتی ہے کہ آج ایک شیخ کی صحبت میں ہیں تو کل دوسرے شیخ کی مجلس میں اور پرسوں تیسرے شیخ کے حضور میں۔ ایسے لوگ طریقت میں کبھی کامیاب نہیں ہو

سکتے۔ کیونکہ ان کو کسی خاص وجود سے ارادت حاصل نہیں ہوتی اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو حضرات مشائخ کی اصطلاح میں بھونڈو چیلا کہا گیا ہے۔ ان کا یہ ہرجائی پن ان کی استعداد دل کو برباد کر دیتا ہے اور وہ اس انڈے کی طرح ہو جاتے ہیں جو دو دن تو ایک مرغی کے نیچے رہے اور دو دن دوسری مرغی کے نیچے اور دو دن تیسری کے نیچے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس بار بار کے ہیر پھیر میں اس انڈے میں بچہ پیدا ہونے کی حالت باقی نہیں رہتی اور اس گردش میں خواہ ہزار برس تک بھی چکر کھاتا پھرے۔ اسمیں کبھی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس تحریر سے فقیر کی مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرید کو حضرات مشائخ کے حضور میں حاضر ہونا منع ہے۔ بلکہ فقیر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک جگہ ارادت صحیح نہ ہو جائے حضرات مشائخ کرام کی صحبت سے مزید فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا غلام نبی صاحب للّہیؒ نے فرمایا کہ مرید نارسیدہ مثل طفل شیر خوار ہے کہ جب قبل از ختم ایام رضاعت اپنی والدہ سے علیحدہ ہو جائے تو اس کے نشو و نما میں فرق آ جائے گا۔ اسیطرح اگر مرید قبل از وقت پیر سے علیحدہ ہوگا ناقص و ابتر رہ جائے گا۔

مرید کو اپنے شیخ کے سوائے کسی دوسرے شیخ کے حلقے میں داخل ہونا یا اس کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرنا جائز نہیں۔ ہاں البتہ اس صورت میں بمجبوری جائز ہے کہ پہلا شیخ دنیا سے رحلت کر گیا ہو۔ یا مرید اس پیر سے اتنے فاصلے پر جا پڑا ہو کہ شیخ کی زیارت کی کوئی امید باقی نہ رہ جائے اور مرید بھی نو آموز ہو۔ ورنہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اپنے پیر کے ہی کسی خلیفہ یا اس کے پیر بھائی کے ساتھ تجدید بیعت کر لینا چاہیئے اور بصورت مجبوری کسی دوسرے سلسلہ کے شیخ کے ساتھ بھی جائز ہے۔

حضرت خواجہ محمد موسیٰ دھبندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کنز الفوائد میں شرائط مرید حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

شرط اول یہ ہے کہ مرید کسی چیز کو شیخ سے پوشیدہ نہ رکھے اور جو کچھ اس کے دل پر گذرے خواہ وہ از قسم خیر ہو یا از قسم شر تمام شیخ کی خدمت میں عرض کر دے تاکہ شیخ

اس مرید کے احوالِ باطنی سے آگاہ ہو کر اس کی حقیقتِ استعداد پر واقفیت حاصل کرلے اور اس کے امراض متعدی کا معالجہ اس کے مزاج کے موافق کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کی کسی بات پر اعتراض نہ کرے۔ ہر چند پیر کی وہ بات بظاہر اس مرید کی سمجھ میں نہ آوے۔ اگر نفس کسی طرح بھی اس بات پر اصرار کرنے سے باز نہ آوے تو مرید کو چاہیئے کہ حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ یاد کرے اور یقین رکھے کہ اس طریق درویشی میں مرید کے لئے کوئی چیز پیر پر اعتراض کرنے سے زیادہ نقصان رساں نہیں۔ اور حضرات مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرید کی ہر بیماری کا علاج کیا جاسکتا ہے مگر اعتراض وہ بدبلا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں اس لئے کہ ہر ایک بیماری میں مرید معذور ہوتا ہے اور اس کا عذر مقبول ہوتا ہے۔ لیکن اعتراض کی حالت میں وہ معذور نہیں ٹھہرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو حجاب اعتراض سے پیدا ہوتے ہیں وہ کسی شے سے دور نہیں ہوسکتے۔ غرض اعتراض نہایت ہی نامبارک شے ہے جو مرید کے مجازی فیض سے سدھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور فیض سے مرید کو محروم کر دیتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ طلب میں ثابت قدم رہے اور کسی طرح طلب سے ہمت نہ ہارے خواہ سارا جہان ننگی تلوار اس کے سر پر کھینچکر بھی اس کو اس کام سے روکے ؎

عاشقِ ثابت قدم آں کس بود کز کوئے دوست
رُو نہ گرداند اگر شمشیر بارد بر سرش!

یعنی پختہ کار عاشق وہ شخص ہوتا ہے جس کے سر پر تلواروں کا مینہ بھی برس جاوے تو بھی دوست کے کوچے سے منہ نہ پھیرے۔ مرید پر واجب ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ یہاں تک ارادت صحیح کرے کہ اس کو ہر شے ہر شخص یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی عزیز سمجھے جیسا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کامل ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے اور اس کے مال سے اور اس کے فرزند سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مرید پیر کے ہر فعل کی اقتدا نہ کرے۔ جب تک کہ شیخ اسے اس فعل کا حکم نہ دے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ شیخ بعض فعل اپنے مقام خاص کے مناسب حال کرتا

ہو اور مرید بھی اندھا دھند وہ کام کر بیٹھے کہ اس کے مقام اور مشرب کے لحاظ سے زہر قاتل ہو جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک و خوں میخور   کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

فی الحقیقت اس شعر میں اس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دفعہ زہر ہلاہل کی دو شیشیاں پی لینے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تفصیل اس قصہ کی اس طرح ہے کہ شام کے ایک بادشاہ نے زہر کی دو شیشیاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کی کہ اس زہر میں اس قدر سمیت ہے کہ اس کا ایک قطرہ ہی دشمن کے ہلاک کے لئے کافی ہے۔ اس کو نہایت احتیاط سے رکھئے گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا اس نفس سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں ہے۔ یہ فرمایا اور دونوں شیشیاں پی لیں۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ حضرتؓ کی ذات پاک پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شاعر کہتا ہے کہ اے شخص تو جو اپنی نفسانی خواہشوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اپنے انداز سے باہر پاؤں مت رکھ وہ صاحب دلوں کا کام ہے جو زہر پی جاویں تو زہر ان کے جسموں میں شہد کا کام دے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مرید شیخ کے حکموں کے ظاہر الفاظ پر ثابت قدم رہے اور ان کی ہرگز تاویل نہ کرے تاکہ خدا تعالیٰ اس مرید کے صادق عقیدے کی برکت سے اس کو مدارج حقائق تک ترقی بخشے اور دقائق اور معانی کے سمجھنے کی قابلیت اسے عطا فرمائے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ شیخ نے مرید کو ذکر توجہ مراقبہ رابطہ وغیرہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہو۔ مرید اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے عمل کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اگرچہ مشائخؒ نے اس دوسرے عمل کی بہت سی خوبیاں اپنی تصنیفات میں درج کی ہوں۔ کیونکہ مرید کی بھلائی اس عمل میں ہے جس کا اس کے شیخ نے اپنے نور فراست سے اس کی استعداد کو ملاحظہ فرما کر اسے حکم دیا ہے اور شیخ کی فراست انوار الٰہی میں سے ایک نور ہے۔ جس کے ذریعے معلوم کی ہوئی باتیں کبھی غلط ثابت نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

مومن کی فراست سے بچتے رہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھ لیتا ہے اتقوا من فراسۃ المومن الحاضر:

ساتویں شرط یہ ہے کہ مرید اپنے آپ کو سب سے نالائق تر خیال کرے اور اپنا کسی شخص پر کوئی حق نہ ٹھہرائے اور نہ اپنے اوپر کسی کا کوئی ایسا حق ثابت کرے جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو اور اعتقاد رکھے کہ کون و مکان میں اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی شے (از خود) موجود نہیں تاکہ اس عقیدے کی برکت سے وہ اس مقام پر پہنچ جاوے کہ محسوسات کا حجاب اس کی بصیرت کے آگے سے اٹھ جائے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح مستانہ وار یہ کلمات اس کی زبان پر جاری ہو جائیں ۔انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین یعنی میں نے اپنا منہ اس ذات عزاسمہٗ کی طرف یکرخہ ہو کر کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت اسمٰعیل آتا رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ جب کبھی کسی مرید کو تلقین کرتے تو اسے یوں ارشاد فرماتے کہ آج سے ہم اور تم دونوں برادر طریقت ہو گئے۔ ہماری ایک نصیحت سن رکھو۔ اس دنیا کو ایک نیا گنبد سمجھ لو اور خدا تعالیٰ کا اس قدر ذکر کرو کہ غلبہ توحید میں حق ہی حق باقی رہ جاوے۔ اور تم درمیان سے اٹھ جاؤ۔ خواجہ خواجگان خواجہ بلا گرداں حضرت شہنشاہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسماعیل آتا کے اس قول سے عجیب توحید کی خوشبو آتی ہے۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کے احکام میں سے کسی حکم میں خیانت نہ کرے۔ اور شیخ کے احترام میں انتہائی کوشش صرف کر دے۔ اور جس ذکر کا شیخ نے اسے حکم دیا ہو دل وجان سے کوشش کر کے اسے انجام تک پہنچائے اور جس وقت ذکر کے سوائے شہوانی یا کوئی دوسرا خطرہ اس کے دل پر گذرے۔ تو فوراً ذکر کیطرف رجوع کرے۔ اور اپنے نفس کو ہدایت کرے کہ ایک وقت میں دو مخالف باتوں پر مشغول ہونا ممکن نہیں تاکہ غفلت طاری نہ ہو اور وہ مذموم خطرہ پھر دل میں نہ گذرے۔ اسی مشق کو جاری رکھے یہانتک کہ ذکر کی بدولت غفلت کا ازالہ ہو جائے۔

نویں شرط یہ ہے کہ مرید کو دونوں جہان میں کسی شے کی ہوس اور خواہش نہ ہو۔ جس وقت مرید کے دل میں کسی شے کی ہوس یا خواہش پیدا ہوئی۔ سو تب وہ مرید نہیں ہوگا بلکہ طالب ہوا ہوگا۔ حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں۔ مرید کو اپنے شیخ کے قبضے میں اسطرح رہنا چاہیئے جیسے میت غسل دینے والے کے قبضے میں ہوتی ہے کہ جس طرح وہ چاہتا ہے اسے حرکت دیتا ہے۔ پس مرید پر یہ واجب ہے کہ جو کچھ شیخ اس کے حق میں بہتر خیال فرما دے وہ بھی اپنے حق میں اسی کو بہتر سمجھے اور اپنے شیخ کے کلام کو کسیطرح رد نہ کرے۔ اگرچہ حق اسی کی جانب ہو اور شیخ کی خطا کو اپنے صواب سے بہتر سمجھے۔

دسویں شرط یہ ہے کہ شیخ جس شخص کو مرید پر فضیلت دے اگرچہ وہ شخص علم میں اس مرید سے کمتر بھی ہو تو اس کا تابعدار رہے اور اعتقاد رکھے کہ میرے شیخ کا انتخاب سب انتخابوں سے افضل ہے۔ اور میرا شیخ کل مشائخ سے اکمل۔ اگر اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد نہ رکھے گا تو اس کا دل خواہ مخواہ کسی زیادہ کامل شیخ کی تلاش میں رہے گا۔ اور یہ تلاش اس میں کبھی نسبت ذوقیہ پیدا نہ ہونے دے گی۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امیر قاسم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مولانا زین الدین ابو بکر تایبادی کی ملاقات کو گیا۔ ان کی مجلس میں ایک شخص بیٹھا تھا جو رسمی شیخوں میں سے کسی شیخ کا مرید تھا۔ حضرت مولانا نے اس طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ محبت رکھتا ہے یا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ۔ اس شخص نے کہا کہ اپنے شیخ کے ساتھ۔ حضرت مولانا نے غصہ سے فرمایا۔ کتے تو اپنے شیخ کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح دیتا ہے۔ اور ایسے خفا ہوئے کہ غصہ سے بیٹھ نہ سکے۔ اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ میں اور وہ شخص دونوں حیران بیٹھے رہے۔ لحظہ بھر کے بعد وہ شخص بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اور میں اکیلا رہ گیا۔ لیکن سخت فکر مند ہوا۔ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ مولانا نے اس شخص کی نسبت ایسے سخت کلمات کیوں کہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے باہر تشریف لا کر پوچھا۔ وہ شخص کہاں گیا۔ میں نے عرض کی وہ تو اسی وقت چل دیا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا آؤ اس سے عذر خواہی کریں۔ حضرت مولانا

اور میں دونوں اس شخص کی تلاش میں نکلے۔ وہ رستے میں مل گیا اور کہنے لگا آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو تھا۔ اس وقت آپ سخت غصے میں آگئے۔ میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ اب میں اپنے اس جواب کے معنی عرض کرتا ہوں۔ توجہ سے سنئے۔ پچاس برس سے میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر ہوں اور مجھے اس پابندی مذہب نے ایک گناہ سے بھی نہ روکا۔ اب چند روز سے اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ تو اس چند روزہ ملازمت نے میرے دل کو سب گناہوں کی طرف سے ٹھنڈا کر دیا ہے اور میں اپنے دل میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی طرف میلان پاتا ہوں۔ اگر اس حالت میں میں نے اپنے شیخ کے ساتھ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت زیادہ محبت رکھنے میں ناجائز کام کیا ہے تو میں اپنے اس قول سے استغفار کرتا ہوں۔ حضرت مولانا نے کئی بار آنکھوں کو بوسہ دیا۔ اور بہت سی معذرت خواہی کے بعد فرمایا کہ بھائی تو حق یہ ہے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔

مرید کو چاہیئے کہ فضول کلام و فضول نظر سے پرہیز کرے۔ کیونکہ یہ باتیں حضرات مشائخ طریقت کے نزدیک مکروہ ہے۔

اور حضرت مولانا غلام نبی للّٰہی نے فرمایا ہے کہ طالب صادق وہ ہے کہ جس کو محبت مرشد اور اتباع خیر البشر غالب ہو۔

نیز فرمایا کہ جس قدر طالب میں شکست و عاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر فیض اس پر زیادہ وارد ہوتا ہے۔

امام العارفین حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ جو خلیفہ اکبر حضرت مخدوم حمزہ کشمیری کے ہیں اپنی کتاب شرح ورد المریدین میں فرماتے ہیں کہ آداب مرید میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرید ہر وقت اپنے دل کو شیخ کے دل کے مقابل رکھے۔ اور شیخ کے دل سے فیض کا منتظر اور مدد کا خواہاں رہے۔ کیونکہ فتوحات غیبی اول اول شیخ کے دل کے دریچہ سے مرید کے دل میں پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے من القلوب الی القلوب روزنتہا۔ یعنی دلوں سے دلوں کی طرف راہ ہوتے ہیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ بے چارہ مرید پہلے بے شمار حجابوں میں

گرفتار ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وہ عالم شہادت کا خوگردہ ہے۔ عالم غیب سے اسے آشنائی نہیں اور صورت شیخ عالم شہادت میں داخل ہے پیوند ارادت مضبوط ہونے پر مرید کی توجہ شیخ کے دل میں آسانی کے ساتھ پہنچ جاتی ہے اور شیخ کا دل چونکہ متوجہ حضرتِ الٰہی ہے۔ اور ہر لحظہ غیب سے شیخ کے دل میں فیضان ربانی پہنچتا رہتا ہے۔ اس واسطے مرید جس قدر توجہ شیخ کے دل کی طرف کرے گا۔ اسی قدر فتوحات غیبی مرشد کے دل سے مرید کے دل میں پہنچتے رہیں گے۔ اسی طرح مرید کا دل شیخ کے واسطہ سے فیضان غیبی حاصل کرنے کی عادت کر لیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ آخر کار وہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ بغیر واسطہ کسی کے فیض ربانی اسے پہنچنے لگتا ہے۔

اور حضرت ممدوح الشان اس امر پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ یہ شرط جملہ شرائط مرید سے زیادہ مشکل ہے اور جس قدر زیادہ مشکل ہے۔ اسیقدر زیادہ فائدہ مند بھی ہے۔ اگر اس شرط میں نقصان واقع ہو جائے۔ راہ کمال بالکل ایسی بند ہو جاتی ہے کہ کوئی عبادت اس کو نہیں کھول سکتی اور اگر اس شرط میں نقصان واقع نہ ہو تو باقی شرطوں میں جو نقصان واقع ہو جائے شیخ کے دل کی حمایت کی برکت سے اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اگر خدانخواستہ مرید کی ارادت فاسد ہو جائے۔ یا ربطِ قلب میں نقص واقع ہو جائے تو کل جنوں اور انسانوں کے اعمال سے اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حضرات مشائخ کرام کا مسلم ہے۔ کہ شیخ کی ولایت مرید کا قلعہ ہے اور مرید کی ارادت اس کی دیواریں ہیں۔ اگر مرید کی ارادت میں نقصان واقع ہو جائے تو قلعہ کی دیواریں گر جاتی ہیں اور شیاطین کا لشکر حملہ کر دیتا ہے۔

حضرت ممدوح الشان مریدِ صادق کی آٹھ شرائط بیان فرماتے ہیں ؎

وحدتؐ و ذکرؐ و صوؐ نفی خواطرؐ ربطِ قلبؐ!

صمتؐ و تقلیلؐ و رضاؐ کاندر سلوک انصر نہ شد

یعنی وحدت تنہائی دوام ذکر دوام ہمیشہ باوضو رہے۔ نفی خواطر ربطِ قلب با شیخ۔ خاموشی

تقلیل یعنی کم کھانا۔ کم سونا۔ کم بولنا۔ خدا کی رضا پر راضی ہونا۔

اب اس مضمون کو فقیر ختم کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اور باقی سب یاران طریقت کو مرید صادق بننے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم !!!

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یارانِ طریقت یا پیر بھائی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ "تمام ایماندار آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

تمام دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ مومن لوگ ہیں جو اس مبارک نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت مبارک زندگی بھی انہی لوگوں کی ہے جو اس خطاب سے موسوم ہو چکے ہیں۔ یعنی جن مومنوں کو آپس میں یاران طریقت یا پیر بھائی بننے کا اور رشتہ روحانی و محبت و یک جہتی ایک دوسرے کے ساتھ قائم کرنے کا فخر حاصل ہے۔

یہ وہ رشتہ الفت ہے جو بلاتمیز رنگ و قوم و ملک کے سب مومنوں کو ایک رنگ حقیقی واصلی میں رنگ دیتا ہے[1]۔ خواہ وہ ہندی ہوں یا سندھی، ترکی ہوں یا تاتاری، چینی ہوں یا بخاری عربی ہوں یا قندھاری، افغانی ہوں یا ایرانی — اور خواہ پہلے وہ وہابی ہوں یا نیچری، بے دین یا لامذہب۔ ہندو ہوں یا عیسائی۔ آریہ ہوں یا دہریہ — الغرض اس رنگ کے چڑھنے پر وہ سب آپس میں شیر و شکر ہو کر اس طرح راحت و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ ان میں سے غیریت بالکل اٹھ جاتی ہے۔ بلکہ حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر ایک دوسرے کو عزیز جاننے لگتے ہیں۔

یہاں پر مجھے ایک بات یاد آتی ہے۔ ایک دن علی پور سیداں میں جو فقیر کا مولد و مسکن ہے میرے دلی مخلص و محب واخی فی الدین قاضی حسن الدین صاحب جو آجکل لداخ متصل تبت میں نائب تحصیلدار ہیں۔ شیخ فضل دین و شیخ دین محمد کو ایک برتن میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر بہت

---

[1] قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً۔ ۱۲

منجذب ہوکر یہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ وبحمدہٖ کیسی مولا کی شان ہے اور یہ صرف صوفیائے کرام کی صحبت کی تاثیر ہے کہ ایسے دو شخص جو ایک دوسرے سے سخت متنفر بلکہ ایک دوسرے کے سایہ سے پرہیز کرنے والے تھے وہ دو قالب و یک جان ہو کر اپنے مادرزاد بھائیوں سے بھی بڑھ کر عزیز بن رہے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ شیخ دین محمد تو پہلے ہندو قوم برہمن کا پنڈت تھا اور شیخ فضل دین پہلے خاکروب یعنی چوہڑا تھا۔

درحقیقت دیکھا جاوے تو یہ اسلام کی بڑی خوبی ہے کہ دو کو ایک کر دیتا ہے۔ اور عشقِ حقیقی کی چاٹ لگا کر سب اختلاف کو مٹا دیتا ہے اور ان کا حال ڈنکے کی چوٹ سے اشتہار کر دیتا ہے کہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ـــــ یہ سب ایمان اور عشق کا ظہور ہے کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ ! شمشیرِ حق ببیں کہ دو کس را یکے کند

یہ ایک حال ہے جو صوفیوں کی صحبت اور خدمت کی برکت سے عطا ہوتا ہے۔ اس صحبتِ کیمیا خاصیت کا وہ رتبہ اور اثر ہے کہ محال کو بھی ممکن کر دیتا ہے۔ یہ تو کہتے ہی ہیں کہ اَلْعَادَۃُ لَا یُرَدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ۔

ع جَبَل گردد جِبِلَّت نہ گردد [1]

مگر ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورتِ طلا شد
خورشید نظر چو کرد بر سنگ تحقیق کہ لعلِ بے بہا شد [2]

اسی طرح انسان ناقص جو مثلِ آہن ہے۔ انسان کامل کی صحبت سے کندن بن جاتا ہے۔ سارا کھوٹ اس کا نکل جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ خورشیدِ ولایت محمدی صوفی کامل عاشق اللہ کی نظر منور میں یہ اثر ہے کہ نفس امّارہ کے سنگین قلعہ پر اگر وہ پڑ جاتی ہے تو اس کو لعلِ بے بہا

---

[1] " پہاڑ بدل جائے تو بدل جائے مگر طبیعت نہیں بدلتی "

[2] "جو لوہا پارس سے آشنا ہوا وہ اسی وقت سونا بن گیا، سورج نے جونہی پتھر پر نظر ڈالی وہ سچ مچ بے بہا لعل بن گیا۔"

بنا دیتی ہے۔ ہر چند کہ چشمِ ظاہر بین اور ناقص حال میں محال معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آہن سا سیاہ باطن کندن بن جائے یا کوئی پتھر کا دل لعلِ بے بہا بن جائے مگر اس حال کا ممکن ہونا یا جبلت اور عادت کا بدلنا اگر ہو سکتا ہے تو صرف ایک صوفیائے کرام کی صحبت کی برکت سے ہی ہو سکتا ہے۔ جس کے صد ہا شاہد ہے ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ صد ہا فاسق اور فاجر ہزار ہا ڈاکو اور رہزن اور بے دین اپنی بدعادتوں کو چھوڑ کر ایک صوفی کی صحبت سے پکے دیندار عابد و زاہد و متقی پرہیزگار بن جاتے ہیں۔

ع ادھر آ تجھ کو دکھا دوں میں گلستاں ان کا

ہاں اگر روزِ روشن میں کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر کے سورج کی روشنی سے انکار کرے تو اس کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ! چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

بعض لوگ اپنی خرابی حال سے یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ایسے صاحبِ تاثیر کہاں ہیں۔ اگر ہیں تو ہم کو دکھا دو۔ یہ ان کا کہنا محض غلط خیال اور خرابیٔ حال کا اثر ہے۔ اگر ان کی آنکھیں ہوں اور استعداد ان کے دیکھنے کی ہو تو یہ صاحبانِ تاثیر ان کو جا بجا نظر آویں مگر ان کی عقیدت نہیں، استعداد نہیں پھر کیا نظر آویں۔ صوفیائے کرام کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا۔ اور روز بروز ترقی کرتا رہا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو اس گروہ نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ تارک الدنیا ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر رہتے اور مجردانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر بلند آواز سے فرمایا کہ:

لا رھبانیۃ فی الاسلام — اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اس مجردانہ زندگی کو چھوڑ کر عیالداری و معاشرت کا حکم فرمایا۔ اس سے صوفیت اور صفائے باطن کی تکمیل ہوئی۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی۔ اس میں عشقِ الٰہی ظاہر ہوا۔ اس کی تجلی نے تمام دل اور باطن کو منور کر دیا اور صوفی لقب پایا۔

یہ گروہ صوفیائے کرام قیامت تک قائم رہے گا۔ انہی کی برکت سے زمین و آسمان کا قیام ہے۔ کیونکہ یہی لوگ زمین کی میخیں ہیں۔ جن سے زمین ٹھہری ہوئی ہے۔ اور یہی لوگ آسمان کے

ستون ہیں، جن کی برکت سے آسمان قائم ہے۔ جس دن زمین پر یہ لوگ نہ ہوں گے، اس دن نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ دیکھو حدیث شریف:-

وَبِهِمْ يُرْزَقُونَ وَبِهِمْ يُمْطَرُونَ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انہی پاک وجودوں کی برکت سے تم زندگی بسر کرتے ہو۔ انہی کے وسیلے تم پر بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ انہی کے طفیل سے تم کو رزق دیا جاتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف کا نواں پارہ کا اخیر:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

یعنی "ہم ان کو عذاب نہیں کریں گے۔ جب تک آپ ان میں تشریف رکھیں گے۔" کافر بھی اگر بچے ہوئے ہیں تو انہی پاک وجودوں کے طفیل سے۔

ایک دن لاہور میں ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ الزنا یخرخ البناء یعنی جس جگہ زنا ہوتا ہے وہ جگہ نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ لاہور کے انارکلی لنڈا و ٹبی بازار میں باوجود اس قدر زنا ہونے کے لاہور کئی میلوں تک بڑھ رہا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تم رات کو میرے پاس سونا پھر اس کا جواب دیں گے۔ جب آدھی رات گذری تو اس بزرگ نے اٹھ کر وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کی۔ پھر سائل کو فرمایا اٹھ تو بھی نماز پڑھ۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو فرمایا دیکھ! جب اس نے نگاہ کی تو دیکھا کہ کئی ہزار آدمی تہجد میں کھڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے فرمایا کہ اگر پہلی رات اس قدر زنا ہوتا ہے تو پچھلی رات ہزاروں آدمی تہجد بھی پڑھ رہے ہیں۔ لاہور جو دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے تو انہی پاک نفوس کی برکت سے ہے جو اس وقت گرم بستروں کو چھوڑ کر اپنے مولا کی یاد میں کھڑے ہیں! اگر یہ لوگ نہ ہوتے اور صرف پہلی رات والے ہی ہوتے تو اب تک لاہور کی بیخ و بنیاد اکھڑ گئی ہوتی۔

اور دوسری صحیح مسلم کی حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک

لے عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعۃ حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ،

کہ ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا (یعنی صوفی) دنیا میں موجود ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ صوفی ہمارے حال پر خود بخود نظر عنایت کیوں نہیں کرتے اور ہمارے پاس آکر کیوں نہیں کہتے کہ آؤ تمہیں سیدھا راستہ یا راہِ حق دکھائیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ وہ تو دنیا میں اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو راہ راست دکھلادیں اور برے کاموں سے ہٹا کر لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کریں۔ مگر کن کو دکھاویں، ان کو جو ان کی خدمت میں طالب صادق بن کر ارادت صادق لے کر آئیں۔ آپ اتنا تو خیال فرمائیں کہ بیمار ڈاکٹر یا طبیب کے گھر جاتا ہے یا ڈاکٹر بیمار کے پاس آتا ہے! دنیا میں تو قدیم سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ بیمار ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاتا ہے اور علاج کی درخواست کرتا ہے۔

اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم گلی کوچے میں یہ آواز دیتا پھرے کہ آؤ میں حکیم اور طبیب ہوں تو ایسے حکیم کو ہر شخص دیوانہ یا پاگل تصور کرے گا اور یہ کہے گا کہ اگر یہ ڈاکٹر یا حکیم ہے تو بیمار خود اس کے پاس چلے آویں گے۔ اس کو پکارتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور در حقیقت بات بھی یہی ہے کہ بیمار جب تک علاج کی خود درخواست نہ کرے ڈاکٹر کے خود بخود علاج کرنے سے فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ دیکھو اس کے متعلق صوفیوں کے سرتاج حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ اور پر معنی مختصر فیصلہ فرمایا ہے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست! تا بجوشد آبت از بالا و پست!

یعنی پانی کی تلاش مت کر اور پیاس حاصل کر۔ اگر تمہیں پیاس ہوگی تو نیچے (یعنی زمین سے) اور اوپر (یعنی آسمان سے) پانی تمہیں مل جائے گا اور جب ایک شخص کو پیاس ہی نہیں تو تم شربت میں برف ڈال کر بھی جبراً اس کے منہ میں ڈالو تو وہ باہر پھینک دے گا کیونکہ اس کو پیاس ہی نہیں اور سخت پیاس کے وقت اگر کسی شخص کو گرم پانی بھی ملجاوے تو اس کو آب حیات سمجھ کر پی لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے اعتراض کرنے والوں کو پیاس ہی نہیں۔ ورنہ پانی تو بہت ہے یعنی صوفی تو بہت ہیں طالب ہی نہیں ہیں۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ: الارض اللہ اللہ وفی روایۃ لا تقوم الساعۃ علی احد یقول اللہ اللہ (رواہ مسلم)

ایک شخص نے کسی بزرگ کو خط لکھا کہ کوئی پیرِ کامل ہو تو بتائیے۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ پیرِ کامل تو میں بہت بتا دوں گا آپ کوئی طالب صادق ہو تو بتائیے۔

میرے قبلہ و کعبہ ہادی دمولا حضرت پیر و مرشد[1] رحمۃ اللہ علیہ کے دادا صاحب حضرت خواجہ محمد فیض اللہ صاحب تیراہی قدس سرہٗ کوہاٹ میں حضرت خواجہ آدم بنوری مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی کی مسجد میں حوض کے کنارے تشریف فرما تھے۔ پاس سے ایک شخص شاہزادہ میاں نامی نے ٹھنڈی آہ بھر کر بآواز بلند کہا۔ آہ افسوس مرد کامل کوئی نظر نہیں آتا۔ تین مرتبہ یہی کلمہ کہا۔ چوتھی مرتبہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں کامل تو بہت ہیں طالب کوئی نہیں۔ تب شہزادہ میاں نے اپنے زخمی پاؤں کے اوپر سے کپڑا کھول کر عرض کی کہ حضرت طالب تو میں ہوں جو تیس سال سے کسی صوفی کامل کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں دن رات خاک چھان کر پتھروں کی ٹھوکروں سے اپنے پاؤں کو زخمی کر چکا ہوں۔ تب حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی حالت زار پر رحم آیا اور حجرے میں لے جا کر اس کو پچھلے گناہوں سے توبہ و استغفار پڑھا کر ذکر کی تلقین کی۔ پھر وہی شہزادہ میاں آپ کی صحبت کی برکت سے ایسے کامل ہوئے کہ ہزارہا مخلوق خدا ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئی۔

میرے حضرت قبلہ و کعبہ ہادی و مولیٰ روحی فداہ باباجی فقیر محمد صاحب قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اپنی بچپن کی عمر میں اس شہزادہ میاں کو دیکھا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر حبس دم کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور تہجد کی نماز کے وقت دم چھوڑتے۔ اس حبس دم کی وجہ سے ان کی پسلیوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ جب وہ سردی کے دنوں میں اپنا کرتہ اتار کر دھوپ میں ڈالتے تھے تو ان کے وہ سوراخ دیکھ کر ان میں ہم انگلیاں ڈال کر خوش طبعی کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جن کی فضیلت اور لیاقت کی ساری دنیا کے فلاسفر

---

[1] حضرت بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ

شہادت دیتے ہیں کیا خوب فرماتے ہیں:

تا ارادت نیاری چیزے نبری

یعنی جب تک تو ارادت صادقہ لے کر کسی صوفی کے پاس نہ جائے گا۔ وہاں سے کچھ بھی نہ لائے گا۔ کیونکہ مثلاً پانی کا دریا بہہ رہا ہے۔ اس میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق پانی لے جاتا ہے۔ یا پیاسا اپنی پیاس کے مطابق پانی پی لیتا ہے مگر ایک شخص کے پاس برتن ہی نہیں، وہ پانی کس چیز میں لے گا۔ یا ایک شخص گرم گرم پلاؤ تقسیم کر رہا ہے۔ برتن والے برتن لے گئے اور پلاؤ لے آئے۔ انہوں نے اس کھانے سے خود بھی پیٹ بھرا اور دوسروں کو بھی دیا۔ ایک شخص نے جس کے پاس برتن ہی نہ تھا ان کے دیکھا دیکھی اپنے دونوں ہاتھ اس تقسیم کرنے والے کے آگے پھیلا دیئے۔ اس نے پلاؤ کی گرم گرم رکابی اس کے ہاتھ پر الٹ دی۔ گرمی سے اس کے ہاتھ جلے تو اس نے پلاؤ کو نیچے پھینک دیا۔ اب اس بے وقوف نے برتن نہ ہونے کے سبب دو نقصان کئے۔ ایک تو کھانے کو ضائع کیا جو کسی دوسرے بھوکے آدمی کے کام آتا۔ دوسرے اپنا ہاتھ جلا کر چلا آیا۔ ایسے بے وقوف آدمی جن کے پاس اپنا برتن نہ ہو اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔

یاد رہے کہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا گروہ تا دور قیامت قائم رہے گا اور ان کے فیض سے ہمیشہ مخلوق خدا مستفیض ہوتی رہے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ صوفی میں کن کن اوصاف و علامات کا ہونا ضروری ہے اور ان کی کیا شناخت ہے فقیر کسی دوسرے مضمون میں لکھے گا۔ یہ تو میں کہاں کا کہاں جا نکلا۔ اب میں اپنے مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

یاران طریقت یا پیر بھائی کن کو کہا جاتا ہے؟ ان دو شخصوں کو کہا جاتا ہے جو ایک پیر کے ملنے والے اور ہم صحبت ہوں۔ ان کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں یاران طریقت یا پیر بھائی کہتے ہیں اور یہ مبارک خطاب اور پیارا نام یعنی یاران طریقت یا پیر بھائی ہر ایک مومن حاصل کر سکتا ہے، خواہ وہ کسی قوم کسی ملک کا ہو۔ پیر کی خدمت میں جانے اور پیر کا ہاتھ پکڑنے اس کے ساتھ نسبت قائم کرنے سے اس شخص کو جو پہلے بالکل اجنبی اور نا آشنا تھا اپنے پیر اور پیر بھائیوں کے ساتھ اس قدر محبت حقیقی اور رشتۂ الفت اصلی قائم ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنے

مادرزاد بھائیوں سے بھی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے سب پرانے خیالات اور عادتیں جو اس کا ملکہ راسخہ ہو چکی ہوتی ہیں سب کو یکبارگی چھوڑ کر محبت پیر سے اپنے پیر کے رنگ میں ایسا رنگا جاتا ہے کہ گویا اس کی کایا پلٹ گئی۔ اور جس کسی نے اس کو پیر و مرشد کے ملنے سے پہلے دیکھا ہو اس کی اس وقت کایا پلٹی ہوئی دیکھ کر اس کے پہچاننے سے ششدر و حیران رہ جاتا ہے اور زبانِ حال سے کہہ اٹھتا ہے۔

ع کہ کل کون تھا آج کیا ہو گیا یہ

رُباعی !!

آدمی را بچشم حال نگر۔! | از خیالات دی پری بگذر
خون بوداست نافۂ تاتار | سنگ بودہ است ابتدائے گہر[1]

پھر اس شخص کو اگر پیر کی صحبت میسر رہے تو اس کی روحانی حالت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے۔ خواہ اس کو خبر ہو یا نہ ہو۔

سوال: مجھے یہ تو بتائیے کہ پیر کے پاس جانے سے کیا فائدہ؟

جواب: اس کے بہت فائدے ہیں۔

(۱) فائدہ اوّل: پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے پچھلے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

(۲) فائدہ دوم: جتنے گناہ نامۂ اعمال میں ہوتے ہیں وہ مٹ کر اتنی ہی نیکیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے ایک لاکھ گناہ تھے تو پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے وہ لاکھ گناہ بخشے گئے۔ اور ایک لاکھ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی گئیں۔ دیکھو قرآن شریف انیسویں پارہ پہلے پاؤ کا تیسرا رکوع۔ فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ خدا تعالیٰ

---

[1] آدمی کو اب دیکھ کر کیا ہو گیا ہے۔ کل پرسوں کے خیالات سے درگذر کر۔ تتار کا نافہ پہلے تو خون ہی تھا اسی طرح جو موتی ہے وہ پہلے پتھر تھا۔

فرماتا ہے کہ جو شخص توبہ کرتا ہے ہم اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ: تائب نے اپنی توبہ کا ایک نیک آدمی کو گواہ بنا لیا۔ جو کل قیامت کے دن اس کی توبہ کا گواہ ہوگا۔

(۴) چوتھا فائدہ: یہ ہے کہ ایک نئی روحانی زندگی اس کو نصیب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے عمر کی بابت سوال کیا کہ حضرت آپ کی عمر کتنے سال ہے؟ آپ نے فرمایا دو سال۔ سائل نے عرض کی کہ آپ تو بوڑھے اور ضعیف العمر ہیں۔ مسلمانوں کے امام ہو کر جھوٹ بولتے ہیں۔ فرمایا جھوٹ نہیں بولتا! دو برس ہوئے جب میں نے اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ درحقیقت یہی دو برس میری عمر ہے۔ پہلے ۶۸ برس عمر کے ضائع ہوئے۔ اس وقت امام صاحب کی ۷۰ برس کی عمر تھی۔

پیر کے پاس جا کر مرید کی جو حالت ہوتی ہے اس کی درست مثال یہ ہے کہ جیسے ایک درخت کو دوسرے درخت کے ساتھ پیوند لگ جاتا ہے تو پیوندی درخت کو پہلے اگر چھوٹا پھل لگتا تھا تو اب پیوند لگنے سے اس کو بڑا پھل لگنا شروع ہوتا ہے۔ یا پہلے وہ کھٹے کا درخت تھا تو پیوند کے بعد اس کو سنگترے اور مالٹے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گو درخت جڑ سے وہی رہتا ہے مگر اسکا پھل بدل جاتا ہے۔ اسی طرح جسم انسانی پیر کی خدمت میں تو وہی رہتا ہے مگر مرید کی روحانی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر مرید پہلے تند خو تھا تو وہ اب رحم دل، نیک خو، متحمل، بردبار بن جاتا ہے اور اپنی پہلی عادتوں کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے نفس میں جو جو شیطانی صفات تھیں وہ سب رحمانی صفات کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس کے دل سے حرص، طول امل، غصہ، جھوٹ، بغض، ریا، تکبر، فخر و غرور نکل جاتے ہیں اور ان کے بدلے صبر و شکر، قناعت، یقین، تفویض، توکل، تسلیم، تحمل، رضا، رجا وغیرہ نیک صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کو اس طرح سے سمجھ لو کہ ایک گلاس میں پانی بھرا ہے۔ ہم اس کو نکال کر اس گلاس میں دودھ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کے دو قاعدے ہو سکتے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس گلاس کو یکبارگی الٹ کر پانی نکال دیا جاوے اور پھر اس میں دودھ بھر دیا جاوے جیسے میرے پیر و مرشد سیدنا و مولانا

حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانے پر خوش ہو کر ایک نانبائی کو فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے! نانبائی نے عرض کی حضرت مجھے اپنے جیسا بنا دو۔ آپ نے اس کو میں لے جا کر توجہ اتحادی القا کی۔ باہر نکلے تو دونوں کی شکل و صورت ایک تھی۔ کوئی دیکھنے والا حضرت خواجہ صاحب و نانبائی میں تمیز نہ کر سکتا تھا کہ ان میں خواجہ صاحب کون ہیں اور نانبائی کون۔ دونوں میں صرف فرق اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب تو ہوش میں تھے اور نانبائی بے ہوش۔ آخر تین دن کے بعد اسی بے ہوشی میں مر گیا۔

درحقیقت یہ کام ہر ایک صوفی کا نہیں۔ سوائے کاملین اور مکملین کے ہر ایک شخص ایسا نہیں کر سکتا جو خواجہ صاحب نے کیا۔ یعنی یکبارگی اس پانی کو الٹ کر اس میں دودھ بھر دیا۔ ہاں البتہ جو دوسرا قاعدہ ہے اس پر سب صوفی عمل کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جس گلاس میں پانی پڑا ہوا ہو اس میں ایک ایک قطرہ دودھ کا ڈالتے جاویں تو جتنے قطرے دودھ کے پڑتے جاویں گے اتنے ہی قطرے پانی کے نکلتے جاویں گے۔ آخر الامر ایک وقت ایسا آ جاوے گا کہ اس گلاس میں صرف دودھ ہی دودھ رہ جائے گا اور پانی کا نام بھی نہیں رہے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ،

لَنْ یَلِجَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا مَنْ وُّلِدَ مَرَّتَیْنِ[۱] "کہ جب تک آدمی دو دفعہ پیدا نہ ہو تب تک اس کے لئے رحمت کے دروازے نہیں کھلتے"۔

لوگوں نے عرض کی کہ حضرت لوگ تو ایک دفعہ پیدا ہوتے ہیں۔ دو مرتبہ کون پیدا ہوتا ہے؟ فرمایا ایک پیدائش وہ ہے جس دن بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری پیدائش اس دن ہوتی ہے جس دن انسان کسی پیر و مرشد کے پاس جا کر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے بیعت کرتا ہے۔ اور درحقیقت روح کی پیدائش کا یہ پہلا دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اس کی روح نفس اور شیطان کے پنجہ میں گرفتار تھی۔ کسی پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے اس کی روح شیطان کے پنجہ سے خلاصی پا جاتی ہے۔

دیکھو حدیث شریف میں وارد ہے کہ انسان[۱] کے دل میں دو کوٹھڑیاں ہیں۔ ایک دائیں

---

[۱] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امن لقلبہ بیتان فی احدھما (باقی اگلے صفحہ پر)

طرف اور ایک بائیں طرف۔ دائیں طرف کی کوٹھڑی میں فرشتہ رہتا ہے۔ اور بائیں میں شیطان رہتا ہے۔ انتہی

جب انسان پیر کے پاس جاکر اس کا ہاتھ پکڑ کر توبہ کرتا ہے تو اس کا دل شیطان کے پنجہ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اگر تین صورتوں میں سے ایک صورت بھی قائم رہے تو شیطان اس کے دل پر قابو نہیں پا سکتا۔ ورنہ پھر اس پر پنجہ مار کر اپنا تسلط کر لیتا ہے۔

صورت اول: مرید کا خیال پیر کی طرف رہے۔

صورت دوئم: پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے۔

صورت سوئم: وہ مرید اللہ کا ذکر کرتا رہے۔

ان تینوں صورتوں میں انسان پر شیطان کا قبضہ نہیں ہو سکتا اور اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو شیطان اس کے دل پر قابو پالیتا ہے۔ غرض کہ طالب حق کو کسی پاک روح کے ساتھ محبت اور تعلق ضرور پیدا کرنا چاہیئے جو قیامت کے دن اس کے لئے نجات کا ذریعہ ہو۔ دیکھو حدیث شریف حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت[1] کے دن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الملک وفی الاٰخر الشیطان فاذا ذکر اللہ خنس واذا لم یذکر اللہ وضع الشیطان منقارہ فی قلبہ ووسوس لہٗ۔ رواہ ابن شیبہ عن عبد اللہ بن شقیق حصن حصین۔

ترجمہ: مومن کے دل کے اندر دو کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسری میں شیطان جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو شیطان چھپ جاتا ہے۔ جس وقت اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا شیطان اپنی منقار سے اس کے دل کو کریدتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔

[1] عن ابی ہریرۃؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ سبعۃ یظلہم اللہ فی ظلہ یوم لاظل الا ظلہ امام عادل وشاب نشاء فی عبادۃ اللہ ورجل قلبہ متعلق بالمسجد اذا خرج منہ حتی یعود الیہ ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ الخ متفق علیہ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ

سات شخصوں کو خدا تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ ایک وہ ہوگا جس کی دوسرے مسلمان کے ساتھ محض للہ محبت ہوگی۔ یعنی روحانی تعلق ہوگا۔ اس حدیث شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیر اور مرید دونوں قیامت کے دن زیر سایہ عرش ہو کر نجات پاویں گے۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے کہ ایک[1] شخص جو سو آدمی کا قاتل تھا۔ کسی نیک بندے کی زیارت کے لئے بغرض توبہ جا رہا تھا راستہ میں مرگیا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے آئے حکم ہوا کہ یہ جس جگہ سے روانہ ہوا تھا۔ وہاں سے اس عالم کے مکان تک کی پیمائش کرو۔ جس کے پاس یہ جانا چاہتا تھا۔ پیمائش کرنے پر معلوم ہوا کہ

(تسلسل) دے گا جب اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک حاکم عادل، ایک وہ جوان جس کی پرورش عبادتِ الٰہی میں ہوئی ہو۔ اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا ہو۔ جب مسجد سے نکلے جب تک پھر مسجد میں جاوے اور وہ دو شخص جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے باہم محبت رکھتے ہوں۔ اسی محبت پر آپس میں ملیں اور اسی محبت پر جدا ہوں۔

[1] عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعۃ وتسعین انسانا ثم خرج یسئل فاتی راھبا فسئلہ فقال لہ توبۃ قال لا۔ فقتلہ وجعل یسئل فقال لہ رجل ایت قریۃ کذا وکذا فادرکہ الموت فناء الصدرہ فاختصمت فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب فاوحی اللہ الی ھذہ ان تقربی والی ھذہ ان تباعدی قال قیسوی ما بینھما فوجد الی ھذہ بشبرہ فغفرلہ: (متفق علیہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے (۹۹) آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ اس کے بعد وہ مسئلہ پوچھنے کے لئے نکلا۔ ایک راہب ملا اس سے پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ راہب نے جواب دیا کہ قبول نہیں ہو سکتی۔ اس شخص نے راہب کو قتل کر دیا۔ پورے سو کا قاتل ہو گیا۔ پھر آگے چلا کہ کسی اور اللہ والے سے دریافت کرے لیکن راستہ کے درمیان میں اس کو موت آگئی۔ رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے آگئے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

نصف مسافت سے ایک بالشت بھر زمین زیادہ اس عالم کے مکان کی طرف طے کر چکا تھا۔ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ ہم نے اس کو بخش دیا۔ ملائکہ کو کہا تم اس کی روح کو بہشت میں لے جاؤ۔ سبحان اللہ وبحمدہ صوفیائے کرام کے پاس حاضری تو درکنار ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کرنے والے بھی بخشے جایا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا۔ قرآن شریف ثابت کرتا ہے کہ مرید کا پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہے۔ جس سے کسی اہل اسلام کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مرید اپنی عمر کا اکثر حصہ پیر کی خدمت میں گذارے اور حقیقت میں عمر بھی وہی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہو۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عمر سو جو گرواں نال گذرے

یعنی عمر وہی ہوتی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہوتی ہے۔ ایک بزرگ راولپنڈی کے علاقے میں فرمایا کرتے تھے۔

بر در پیر برو ہر صبح و شام   تا ترا حاصل شود مقصد تمام[1]

اور فرمایا کرتے تھے۔ اول تو مناسب ہے کہ مرید ہر وقت اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہے اگر یہ نہیں ہو سکتا تو ایک دن میں ایک دفعہ پیر کی زیارت کرے۔ مشاغل دنیوی کے باعث یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار، یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ بھر میں ایک مرتبہ، یہ بھی نہ ہو سکے تو چھ مہینے کے بعد ایک دفعہ، یہ بھی نہ بن پڑے تو گیا گذرا سال میں تو ایک دفعہ

(تسلسل) اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف کی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہو جا۔ دوسری طرف کی زمین کو حکم دیا کہ دور ہو جا۔ اور پھر فرشتوں سے فرمایا کہ ناپو۔ جب فرشتوں نے ناپا تو وہ شخص بالشت بھر اس اللہ والے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس کے پاس جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

[1] ہر صبح و شام پیر کے دروازے پر حاضر ہو تاکہ تیرا مقصد پورا حاصل ہو۔

ضرور اپنے پیر و مرشد کی زیارت سے بہرہ ور ہو۔ یہ بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانی متعلقین میں اس کا اپنے آپ کو داخل سمجھنا صرف برائے نام ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ جس قدر عبادتیں ہیں ان میں سے اکثر کا سال بھر میں ادا کرنا فرض ہے۔

اسی طرح بندگانِ خدا کی زیارت بھی ایک عبادت ہے۔ جس کا بجالانا سال بھر میں کم از کم ایک دفعہ ضرور ہونا چاہیئے۔ اور یہ وہ عبادت ہے جس کے مقبول ہونے میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اس کی بابت فرماتے ہیں۔ اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ الْعَالِمِ عِبَادَۃٌ ۔ یعنی عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اسی طرح جتنی مرتبہ ان کے چہرہ کی طرف دیکھے گا اتنی ہی اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاویں گی۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیوں کے سرتاج ہیں فرماتے ہیں ؂

دیدن دانا عبادت ایں بود! فتح ابوابِ سعادت ایں بود[1]

جب پیر کی زیارت بموجب حدیث شریف مذکورہ بالا عبادت ٹھہری تو انسان جتنی زیادہ عبادت کرے گا' اتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ دیکھو اس کی بابت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ صادقین کے ساتھ رہا کرو۔"

اس آیت میں معیت سے اگر معیت جسمانی دائمی مراد لی جاوے تو حکم الٰہی کا بجالانا قریباً قریباً ناممکن ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ حوائج بشری بے آخر پیر بھی تو خالی نہیں۔ پاخانہ پیشاب کے وقت یا دیگر ایسے ضروریات کے وقت مرید کبھی پیر کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اور آیت کا حکم بجالانا ضرور ہے۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کی جو تفسیر لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معیت دو قسم کی ہے' جسمانی اور روحانی۔ اگر دونوں معیتیں کسی خوش نصیب کو میسر ہو جاویں تو سبحان اللہ! نورٌ علیٰ نور ہے۔ ورنہ روحانی معیت تو مرید کو پیر کے ساتھ ضرور ہے۔ اور یہی روحانی معیت تصوف

---

[1] عبادت یہ ہے کہ عالم کی زیارت کی جائے اور اس سے سعادت کے دروازے کھلتے ہیں۔

کا اصل اصول ہے کیونکہ تعلق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ تعلق جسمانی اور تعلق روحانی۔ جسم چونکہ فانی شے ہے۔ اس لئے اس کا تعلق بھی فانی ہے۔ یعنی جسم کے فنا ہوتے ہی جسمانی تعلقات بھی قطع ہو جاتے ہیں۔ باپ کا بیٹے کے ساتھ، شوہر کا بیوی کے ساتھ، ماں کا بچے کے ساتھ یا بھائی کا بھائی کے ساتھ غرض یہ جتنے تعلقات ہیں ان کی انتہائی حد قبر کی چار دیواری سے ادھر ادھر ہے۔ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یہ سب تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف میں ان تعلقات جسمانی کی نسبت یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ۔ یعنی قیامت کے دن بھائی بھائی سے بیٹا ماں سے باپ بیٹے سے عورت خاوند سے بھاگ جاویں گے اور کوئی اس دنیا کا تعلق وہاں کام نہیں آوے گا۔

اس کے مقابلہ میں روحانی تعلق کا حال سنئے کہ یہ تعلق قیامت کے دن بھی ویسا ہی قائم رہے گا۔ جیسا کہ دنیا میں تھا۔ بلکہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد یہ تعلق روحانی اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور قرآن کریم اس پر گواہ ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ

یعنی جتنے دنیا میں دوست ہیں سب قیامت کے دن دشمن ہو جاویں گے۔ مگر وہ جو نیکوکار ہیں وہ قیامت کے دن بھی دوست ہی رہیں گے۔ یعنی ان کا روحانی تعلق قیامت کے دن بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اور یہی تعلق ہے جس پر شفاعت باہمی کے مسئلے کی بنیاد ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے کہ حشر کے دن ایک شخص کے نامہ اعمال میں ایک نیکی کی کمی نکلے گی، وہ عرض کرے گا الٰہی میں اپنے متعلقین میں سے کسی ایک کے پاس سے ایک نیکی مانگ لاتا ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ اپنی ماں کے پاس جاوے گا پھر باپ کے پاس، پھر بھائی کے پاس، پھر عورت کے پاس، پھر بچہ کے پاس، علیٰ ہٰذا القیاس وہ سب رشتہ داروں کے پاس پھرے گا لیکن سب کی طرف سے اس کو صاف جواب ملے گا۔ ماں کہے گی میں نے تجھے جنا ہی نہیں، باپ کہے گا میں تجھے پہچانتا ہی نہیں۔ بیوی کہے گی میں نے تو دنیا میں شادی ہی نہیں کی تھی تو میرا خاوند کیسے ہو سکتا ہے۔ بچہ کہے گا میں نے

تو دنیا میں تجھے دیکھا ہی نہیں ۔ یہاں کیا نیکیاں دھری ہیں ۔ چلے جاؤ ۔ ہمارے پاس کوئی نیکی نہیں ۔ سارے جسمانی تعلقداروں کے پاس پھر پھرا کر اور نا امید ہو کر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے رحم کے بھروسہ پر چلا جاوے گا ۔ راستہ میں اسے ایک شخص جس کی اس سے للہ محبت تھی مل جاوے گا ۔ وہ دوست اس مایوس سے پوچھے گا ' دوست خیر تو ہے حیران کیوں ہو ؟ یہ کہے گا میرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کم ہے متعلقینِ جسمانی کے پاس گیا تھا ان سب نے صاف جواب دے دیا اور کسی نے ایک نیکی سے میری مدد نہیں کی ۔ اب دیکھئے اس نیکی کی کمی مجھے جہنم میں پہنچاتی ہے یا کیا حال ہوتا ہے ۔ وہ دوست کہے گا گھبراؤ نہیں ' میرے پاس صرف ایک ہی نیکی ہے اور تم جانتے ہو کہ ایک نیکی سے میری نجات کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتی ۔ چلو وہ میں تمہیں دے دیتا ہوں ' بلا سے میرا کچھ ہی حال ہو ۔ تمہاری تو نجات ہو جائے ۔ وہ مایوس شخص اس اپنے دوست سے نیکی حاصل کر کے خوش خوش بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گا ۔ بارگاہِ رب العزت سے سوال ہو گا ۔ یہ نیکی کہاں سے لائے ۔ وہ عرض کرے گا ۔ الٰہی جسمانی تعلقدار جن کے لئے میں رات دن مرتا رہا نا کردنی کام کئے ۔ ناگفتنی الفاظ زبان سے نکالے ۔ ان سب نے تو جواب دے دیا تھا ۔ بلکہ یہاں تک کہدیا تھا کہ ہم تجھے پہچانتے تک نہیں ۔ راستہ میں خوش قسمتی سے ایک روحانی تعلق دار مل گیا ' جس کے ساتھ میرا صرف پیر بھائی ہونے کا تعلق تھا ۔ سوائے اس تعلق کے میں نے اس کی اور کوئی خدمت نہیں کی تھی ۔ اور نہ کوئی میرا احسان اس کی گردن پر تھا ۔ یہ نیکی اس نے مجھے بغیر سوال کے دے دی ہے ۔ ارشاد ہو گا کہ اس نے ہمارے لئے تم کو ایک نیکی بخشدی جو اس کی ساری بضاعت تھی ۔ ہم تم کو تو نیکیوں کے عوض بخشتے ہیں اور اسے تمہاری طفیل اپنے فضل سے بخش دیتے ہیں ۔ جاؤ ہمیشہ کے لئے جنت میں آرام کرو ۔

دیکھئے حدیث شریف مذکور کس وضاحت سے ثابت کرتی ہے کہ جسمانی تعلقات میں الجھے ہوئے رہنا ہرگز مفید نہیں اور کس قدر تاکید فرماتی ہے کہ روحانی تعلق نجات کے لئے ازحد ضروری ہے ۔ اس بڑی نعمت کو ہرگز ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں دنیا میں زیادہ تر تعلقات نیک لوگوں کے ساتھ اس

لئے بڑھاتا ہوں تاکہ حشر کے دن خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کو بخشدے تو وہ بخشا ہوا شخص میری شفاعت بارگاہِ الٰہی میں کر کے حقِ آشنائی ادا کرے گا۔ حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روحانی تعلق آج بنائے سے نہیں بنتا بلکہ روزِ ازل سے ہی ہے جب کہ روحیں پیدا کی گئی تھیں۔ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق یوں خبر دی ہے۔ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ایتلف وما تناکر منہا اختلف (رواہ البخاری ومسلم) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے سب روحیں پیدا کیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دنیا میں آنے والی ہیں تو وہ روحیں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھیں اور سب ہی ایک جگہ جمع تھیں وہاں بالکل اندھیرا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نور چھڑکا روشنی ہو گئی[۱] اس روشنی میں ایک روح نے دوسری کو پہچان لیا۔ یعنی ان ارواح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ جو دنیا میں ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اگر ہم اپنے زمانۂ پیدائش سے پہلے پیدا ہونے والے بشر کی روح کو دیکھتے تو کیا فائدہ ہوتا۔ بلکہ انہی ارواح نے ایک دوسرے کو دیکھا جو ایک زمانہ اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اسے روزِ ازل سے یہ تعلق پیدا ہو گیا جو پیر کو مرید کے ساتھ یا مرید کو پیر کے ساتھ یا پیر بھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا روحانی تعلق ہے یا نہیں؟ جس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ کے ساتھ تو ہے لیکن یہ تعلق بالواسطہ ہے' واسطہ کیا ہے' اپنے پیر کی روح۔ جس طرح ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کہلاتے ہیں۔ اور وہ ہمارے جسمانی باپ ہیں۔ ویسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے روحانی باپ ہیں اور ہم سب ان کے ہی روحانی فرزند ہیں' مگر اپنے پیر کے واسطہ سے۔

---

[۱] عن عبد اللہ بن عمرو قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقی علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اھتدی ومن اخطاہ ضل رواہ احمد والترمذی

یہ تو معلوم ہو چکا کہ روحانی تعلق نجات اخروی کے لئے اشد ضروری امر ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ پاک لوگوں کی زیارت کرنا، پیر کی صحبت میں رہنا خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہے اور یہ کہ پیر کی صحبت میں انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو کو موانعات کے باعث پیر کی صحبت بلاواسطہ نصیب نہ ہو سکے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے پیر بھائی کی زیارت کر لیا کرے اور اس زیارت کو پیر کی زیارت کا قائم مقام سمجھا کرے۔ آپ نے سنا ہوگا جو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں مجنوں کے عشق کی ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

مجنوں نے ایک کُتے کے پاؤں چومے۔ لوگوں نے کہا، میاں مجنوں! کتا تو پلید ہے تم نے یہ ناجائز کام کیوں کیا؟ مجنوں نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہا کہ تم لوگ چونکہ عشق و محبت کے رموز سے بے بہرہ ہو۔ اس لئے تم کیا جانو کہ میں نے اس کے پاؤں کیوں چومے۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کتا ایک پلید چیز ہے مگر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کتے کا اس کوچے میں گزر ہوا کرتا ہے جو میرے محبوب لیلیٰ کا قیام گاہ ہے ؎

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود ؟
گفت گاہے ایں سگے در کوئے لیلیٰ رفتہ بود

اسی طرح پر میرا پیر بھائی میاں امام الدین صاحب جو موضع چک تحصیل پسرور کا باشندہ ہے اٹھ کر ہر روز اس گھوڑی کی قدمبوسی کیا کرتا تھا جو میرے پیر و مرشد قبلہ و کعبہ قدس سرہٗ العزیز نے اس کے پاس بھیجی ہوتی تھی اور بڑی محبت اور پیار سے کہا کرتا تھا کہ یہ وہ گھوڑی ہے جو میرے قبلہ و کعبہ کے دربار شریف سے آئی ہوئی ہے۔

حضرت سید بڈھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن کلانور ضلع گورداسپور جن کے دیکھنے والے اب تک موجود ہیں اور جو حضرت حاجی سید حسین علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی ساکن مکان شریف ضلع گورداسپور کے مرید تھے۔ اپنے پیر بھائی حضرت سید امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن مکان شریف کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ اس زمانے میں کوئی مرید اپنے پیر کا ویسا ادب نہیں کرتا ہے۔ حتی الامکان عمر بھر میں مکان شریف کی طرف

پیٹھ نہیں کی اور نہ مکان شریف کی زمین میں پیشاب کیا، نہ اس میں کبھی جوتا پہنا، اور نہ اس طرف کبھی منہ کر کے تھوکا۔

ایک دن مکان شریف سے ایک خاکروب یعنی چوہڑا کلانور میں جانکلا۔ آپ نے اس کا یہاں تک ادب کیا کہ اس کو اپنی مسند پر جو تخت شاہی سے بھی کہیں بڑھ کر تھی بٹھلانے کے لئے نہایت اصرار فرمایا۔ وہ بیٹھنے سے انکار کرتا رہا۔ بہت دیر کے اصرار کے بعد آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے خوش کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس مسند پر بیٹھنا پڑے گا۔ وہ ناچار بیٹھ گیا۔ جتنے گھنٹے وہ وہاں رہا۔ آپ دست بستہ اس کی خدمت کے واسطے کھڑے رہے اور اپنے ہاتھ سے اس کو کھانا کھلایا اور ایک پوشاک اور چند مبلغات دے کر اس کو رخصت کیا۔ اس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا اسے مانگ کر رکھ لیا۔ جب تک آپ زندہ رہے ہمیشہ آپ کا معمول رہا کہ ہر روز صبح اٹھ کر اس کتے کی زیارت کیا کرتے اور نہایت محبت و پیار سے فرمایا کرتے کہ یہ مکان شریف سے آیا ہوا ہے۔ اس کے لئے عمدہ کھانا تیار رہوتا۔ خود کبھی کھانا نہ کھاتے جب تک کہ اس کو پہلے نہ کھلاتے۔

حضرت میاں عزیز الدین صاحب قدس سرہ ساکن جلالپور جٹاں ضلع گجرات حضرت باؤلی شریف والوں کے مرید تھے اور حضرت باؤلی شریف والے قدس سرہ میرے حضرت پیر و مرشد قدس سرہ کے ملنے والے تھے۔ میاں عزیز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی بات سے ایسے خوش نہیں ہوتے تھے۔ جتنے کہ اپنے پیر بھائیوں کے ملنے اور دیکھنے سے ہوا کرتے تھے۔ جب کوئی مسافر یار طریقت حضرت صاحب کی خدمت میں جانے والا مل جاتا تو باوجود ضعف پیری کے اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرتے اس کے پاؤں دباتے۔ دو دو میل تک اس کو رخصت کرنے کے لئے ساتھ تشریف لے جاتے۔ اور شکرانہ کے نفل پڑھتے اور کہتے کہ الحمد للہ آج مجھ کو یار کی زیارت نصیب ہوئی اور اگر اتفاق سے کسی دن کوئی مسافر یار طریقت نہ آتا تو کوٹھے پر چڑھ کر دیکھتے۔ اگر کوئی یار نظر نہ آتا تو رویا کرتے کہ الٰہی مجھ سے کونسا ایسا گناہ سرزد ہوا کہ جس کی شامت سے آج کسی یار طریقت کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

ایک دفعہ ان کے پیر و مرشد حضرت خواجہ خان عالم صاحب قدس سرہ نقشبندی مجددی

ساکن باڈلی شریف، جلال پور جٹاں ضلع گجرات تشریف لائے، آپ نے مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری قبر اس جگہ بنانا۔ جس جگہ میرے پیر و مرشد کے گھوڑے باندھے گئے تھے اور جس جگہ انہوں نے پیشاب اور لید کی تھی۔ آخر ان کی وصیت پر عمل کر کے اسی جگہ ان کی قبر بنائی گئی جو اب تک موجود ہے۔

حضرت سید میراں بھیکھ صاحب چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ ساکن ٹھکہ شریف کے حالات میں ان کے خلیفہ حضرت سید علیم اللہ صاحب جالندھری اپنی کتاب نزہۃ السالکین میں جو اب تک نہیں چھپی۔ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت میراں بھیکھ صاحب اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ ابو المعالی قدس سرہٗ کے ہمراہ انبیٹھہ سے سہارنپور میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ ابو المعالی قدس سرہٗ کا ایک صاحبزادہ محمد باقر نامی تھا۔ جن کے ساتھ آپ کو کمال درجہ کی محبت تھی۔ اس کو مع اس کی والدہ اور درویشوں کے انبیٹھہ میں چھوڑ آئے تھے اور ایک دکاندار کے سپرد کر آئے تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو ان کو دیدیا کرنا ہم آکر تمہارا قرضہ ادا کر دیں گے۔ جب رات کو آپ نے کھانا کھایا تو فرمایا معلوم نہیں کہ محمد باقر نے کھانا کھایا ہے یا نہیں۔ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سن کر جس شخص نے دعوت کی تھی اس کو کہدیا کہ دو تین آدمیوں کے واسطے کھانا رکھ لینا۔

حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ وضو کرانے کی خدمت تھی۔ حضرت کو عشاء کا وضو کرایا، آپ نماز پڑھ کر سو گئے تو حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھانا لے کر دوڑے اور انبیٹھہ میں جا کر وہ کھانا پہنچا کر پھر دوڑتے ہوئے سہارنپور اس وقت آن پہنچے کہ ابھی تہجد کی نماز کے واسطے حضرت نہیں اُٹھے تھے۔ آپ اُٹھے۔ حسب معمول آپ نے وضو کرایا۔ اسی طرح حضرت خواجہ ابو المعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مہینہ تک سہارنپور میں قیام کیا اور آپ ہر روز اسی طرح انبیٹھہ میں برابر کھانا پہنچاتے رہے۔

اب یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیٹھہ، سہارنپور سے ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے جس کی آمد و رفت کی مسافت کے ۳۲ میل ہوتے ہیں۔ گویا آپ روزمرہ عشاء سے تہجد تک ۳۲ میل کا سفر پاپیادہ کرتے رہے اور اپنے پیر و مرشد پر ہرگز اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ ان کا یہ کام محض خالصاً لوجہ اللہ تھا۔ ان کی یہ نیت تھی کہ میرے پیر و

مرشد کے صاحبزادے صاحب یعنی پیر بھائی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔
جب ایک مہینہ کے بعد آپ انبیٹھہ میں تشریف لائے تو دوکاندار کو بلایا۔ در کہا کہ گھروالوں نے جو کچھ برداشت کیا ہے اس کا حساب کرد۔ دوکاندار نے عرض کی کہ مجھ سے کوئی چیز نہیں لی گئی میں کیا حساب کردں۔ یہ بات سن کر آپ متعجب ہوئے۔ پھر اپنے فرزند محمد باقر کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ برخوردار مجھ کو تو خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نعمتہائے گوناگوں اور مختلف اقسام کے لذیذ لذیذ کھانے دیتا رہا معلوم نہیں تم نے یہ مہینہ کس تکلیف سے گذارا ہوگا۔ محمد باقر نے عرض کی ہم کو بھی اللہ تعالیٰ نہایت لذیذ لذیذ کھانے دیتا رہا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے رہے ہو۔ عرض کی کہ وہی کھانا آتا رہا ہوں جو آپ بھیجتے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تو تمہارے واسطے کبھی کھانا نہیں بھیجا بچے نے کہا ہم کو تو ہر روز یہ پہنچتا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر آپ بہت حیران ہوئے کہ یہ راز کیا ہے۔ ادہر محمد باقر کا یہ کہنا کہ آپ بھیجتے رہے ہیں اور ادھر حضرت پیر صاحب دل میں یہ خیال کر رہے تھے کہ الٰہی یہ کھانا کون لاتا رہا ہے۔ میرے ساتھ تو صرف ایک درویش میراں بھیکہؒ تھا جو ہمیشہ عشاء اور تہجد کا وضو کراتا رہا ہے۔ بتیس میل کا فاصلہ روز مرہ طے کرنا انسانی طاقت سے بعید ہے۔ حضرت میراں بھیکہؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سامنے کھڑے تھے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ یہ کام ہو نہ ہو میراں بھیکہؒ کا معلوم ہوتا ہے۔ دریائے رحمت جوش میں آیا۔ اسی وقت آپ نے اٹھ کر ان کو گلے لگا کر نورٌ علیٰ نورٌ بنا دیا۔

اس حکایت کے کیا معنی؟ حضرت میراں بھیکھؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال کیا کہ میری جان کو تکلیف ہو تو ہو مگر پیرو مرشد کے صاحبزادے یعنی پیر بھائی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پاوے۔

فائدہ: یہ جو عام مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو ایک دم میں بھرپور کر دیا۔ یا کامل کر دیا۔ ایسا کام ہمیشہ نہیں ہو سکتا وہ اتفاقاً کسی ایسے رضا کے وقت میں کامل کسی پر خوش ہو کر جوش میں بحکم خدا کر گذرتے ہیں۔ جیسا حضرت ابوالمعالی صاحبؒ نے کیا۔ یا حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نقشبندی دہلویؒ نے اس نانبائی پر خوش ہو کر اس کو نورٌ علیٰ نورٌ بنا دیا۔ یا جس طرح میرے حضرت پیرو مرشد جناب حافظ جمال اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رامپوری نے میاں درگاہی شاہ صاحب کو خوش ہو کر نورٌ علیٰ نورٌ بنا دیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت خواجہ جمال اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریاست رامپور کے متصل دریا کے کنارے شکار کھیل رہے تھے۔ ہرن کے پیچھے صبح سے دوپہر تک گھوڑے کو دوڑاتے ہیں ہرن قابو میں نہیں آتا تھا۔ شاہ درگاہی شاہ بھی ساتھ تھے دعا کی یا مولا! یہ ہرن ان کے ہاتھ نہ آئے حضرت کو یہ بات کشف سے معلوم ہو گئی۔ فرمایا شاہ درگاہی اسی جگہ کھڑا رہ۔ اور آپ گھوڑا دوڑاتے ہوئے ہرن کے پیچھے چلے گئے۔ ہرن قابو میں نہ آیا۔ آپ خالی ہاتھ گھر آ گئے۔

بہت مدت گزر گئی شاہ درگاہی صاحبؒ کا کوئی پتہ نہ ملا۔ پورے چھ مہینے کے بعد آپ اسی جنگل میں ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جا رہے تھے۔ دیکھا شاہ درگاہی صاحبؒ اسی جگہ کھڑے ہیں۔ آپ گھوڑے سے اترے فرمایا۔ شاہ درگاہی تو کب سے یہاں ہے؟ عرض کی جب سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں کھڑا رہ۔ اسی وقت سے کھڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا اتنی مدت تک، عرض کی حضرت اتنی مدت کیا، اگر آپ تشریف نہ لاتے تو میں قیامت تک اسی جگہ کھڑا رہتا۔ آپ کا فرمان اور میں سرِ مو فرق کرتا۔ جب آپ نے فرمایا اسی جگہ کھڑا رہ تو میں کیسے ہل سکتا تھا۔

شاہ درگاہیؒ کی یہ بات سن کر حضرت حافظ صاحبؒ اتنے خوش ہوئے کہ اس کو بغلگیر کر کے مالا مال کر دیا۔ پھر اسی جگہ شاہ درگاہی کی خدمت میں بڑے بڑے نواب دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ مگر اس میں یہ بات قابلِ دید ہے کہ حافظ صاحبؒ نے تو ان کو نورٌ علیٰ نورٌ بنا دیا مگر شاہ درگاہی صاحبؒ کی ارادت داعتقاد کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے پیر و مرشد کے فرمان کی تعمیل میں اپنی جان عزیز کھونے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انسان کا چھ ماہ تک نہ کھانا نہ پینا، گرمی سردی، دھوپ، بارش میں ایک ہی جگہ بلا حرکت کھڑے رہنا طاقتِ بشری سے باہر نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وسعتؔ میدان ارادت بیار   تا بزند مرد سخن گوئے گو

لہ ارادت و محبت کے میدان کی فراخی لا تاکہ مرد بات کہنے والا وہاں گیند مارے۔

پہلے حضرت شاہ درگاہی صاحبؒ کا جیسا عقیدہ ہو تو پھر حافظ صاحبؒ اس کے حال پر نظر عنایت فرمادیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر کرد! اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہستؔ[1]

دو پیر بھائیوں کے درمیان میں محبت کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ان دونوں شخصوں کو اپنے پیر کے ساتھ محبت ہے اور پیر کے ساتھ محبت ہونا علامت ہے محبت حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت ہونا علامت ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت ہونے کی۔ اور درحقیقت یہی ایمان ہے۔ یہ محبت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر ایمان کامل ہوگا اور جس قدر کمی اس محبت میں واقع ہوگی۔ اسی قدر اس کے مدارج طریقت میں نقصان ہوگا۔ حقیقت میں پیر کی محبت اور خدا کی محبت دو نہیں۔

حکایت!

ایک دن میرے استاد زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین حضرت حاجی حافظ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نواب درویش گجراتی نے سرہند شریف کے اسٹیشن پر فقیر کی موجودگی میں دعا کے واسطے عرض کی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم کو اپنی محبت میں مستغرق کرے۔ نواب درویش نے عرض کی۔ حضرت میں یہ نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو پیر کی محبت میں مستغرق کرے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب فرمایا وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا وہ دو نہیں۔ ہیں۔ کیا معنی کہ پیر اور خدا کی محبت دو نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی ہے۔ پیر کی محبت عین خدائے تعالیٰ کی محبت ہے۔ کیونکہ پیر وسیلہ یا ذریعہ ہے۔ خدا کی محبت کا اور خدا تعالیٰ کی محبت فرض ہے۔ خدائے تعالیٰ کی محبت سوائے پیر کی محبت کے اور کسی صورت سے حاصل نہیں ہوسکتی اور اس کے واسطے کوئی خاص قاعدہ نہیں۔ طالب کے دل کی جس قسم کی

---

[1] وہ عاشق نہیں جس کے حال پر اس کے یار نے نظر نہیں کی۔ اے خواجہ درد نہیں ہے ورنہ طبیب تو ہے۔

زمین ہو گی، اسی قسم کی محبت کے آثار اس پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ نرم دل بچہ اور عورت میں اس محبت کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ دلوں کا نرم اور سخت ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے یہ حدیث شریف صحیح بخاری میں وارد ہے۔

یہ پیر بھائیوں کا سلسلہ کب سے جاری ہوا۔ اس امت میں سب سے پہلے پیر بھائیوں کا سلسلہ صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا (رضی اللہ عنہم) یہ سب ایک دوسرے کے پیر بھائی تھے جو کچھ صحابہ کرامؓ کو ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت تھی اس کی نظیر آج محال ہے۔ اس کے بعد یہ اتحاد محبت کا سلسلہ اب تک اسی طرح سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے اور اس محبت کا کم و زیادہ ہونا پیران عظام کی نظر عنایت پر موقوف ہے۔

مرشد کامل کو کسی بات میں اس سے بڑھ کر خوشی نہیں ہوتی، جتنی کہ اپنے دو مریدوں کو آپس میں متحد دیکھ کر ہوتی ہے اور اس کے برخلاف کسی بات سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا کہ دو مریدوں کو آپس میں ناراض دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اور اصول بھی یہی ہے کہ جب یہ سلسلۂ اتحاد اور محبت کا محض اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے۔ تو پھر اس میں غیریت کیسی اور عناد چہ معنی؟ ایسے دو شخصوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دونوں مردود بارگاہ الٰہی ہیں۔ علاوہ اپنے پیر و مرشد اور ہادیٔ برحق کے دل دکھانے کے خداتعالیٰ کو بھی ناراض کر لیتے ہیں تو جو محض اپنی نفسانیت کے واسطے خداتعالیٰ کو ناراض کرے اس سے بڑھ کر بدنصیب اور شقی کون ہو سکتا ہے۔

اکثر یاران طریق ان مسائل سے ناواقف ہیں۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کے باعث باہم بغض پیدا کر کے اپنے مولیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں۔ ان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے نفس کی خرابیوں سے شرمانا چاہیئے اور ان خرابیوں کو دور کر کے باہمی محبت کا سلسلہ قائم کرنا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ ہے محبت ہی محبت ہے اور بس!

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ پانچ پانچ سو کوس کا سفر پاپیادہ طے کر کے اپنے پیر یا پیر بھائیوں کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور اس نعمت کے برابر اور کوئی نعمت نہ سمجھتے تھے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ فقیر کے یاران طریق میں سے ایک شخص میاں وزیر محمد نامی (خداتعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں اس کی روح پر نثار ہوں) امرتسر میں رہا کرتا تھا۔

بیچارہ دو چار آنے روزانہ کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ جب اسے معلوم ہو جاتا کہ علی پور سے کوئی شخص امرتسر آیا ہے تو سب کاروبار چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلتا اور جب تک اس کی تلاش نہ کر لیتا، چین نہ لیتا۔ پھر اس کو اپنے گھر لاتا اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر اس کی خدمت کرتا۔

اب بھی ایک شخص بابا روڈا نامی سیالکوٹ میں رہتا ہے۔ نہایت ضعیف البدن اور بالکل مفلس آدمی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص علی پور سے سیالکوٹ میں آیا ہے تو باوجود اپنی ضعیفی کے اور معذوری کے بذات خود اس کی تلاش کر کے جب تک اپنے گھر میں لے جا کر اس کی خدمت نہ کر لے اسے آرام نہیں آتا۔ خدا تعالیٰ اور سب یاروں کو بھی یہ محبت روحانی عطا فرما دے۔

میرے قبلہ و کعبہ حضرت پیر و مرشد ہادی و مولیٰ فداہ روحی و قدس اللہ سرہ العزیز اپنے والد ماجد حضرت خواجہ نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے اکثر ارشاد فرماتے اور خود بدولت بھی اس بات پر زور دیا کرتے کہ یار طریقت وہ ہوتا ہے جو یاران طریق کی خدمت کرے۔ ورنہ صرف ہماری ہی خدمت کرنے سے کوئی شخص یار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہماری خدمت تو کافر بھی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ ایک جامع پر معنی جملہ ہے جس کے الفاظ تو تھوڑے سے ہیں مگر لفظ لفظ کے نیچے حقائق کا سمندر لہریں مار رہا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایک مستعد طالب کو عمل کرنے کے لئے یہ ایک ہی حکم کافی ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح سے وارد ہے کہ "جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کرے۔ خدا اس کی عزت کرتا ہے"۔ دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ

"جو شخص خدا تعالیٰ کی ذات پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کو لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے"۔

اس حدیث شریف میں لفظ اکرام ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کی تشریح جتنی کی جائے تھوڑی ہے۔ ہر ایک قسم کی خدمت اس لفظ کے معنوں میں داخل ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جب سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام عام مہمان کے اکرام کی اس قدر تاکید فرماتے

ہیں تو اس کے بعد جسقدر خصوصیت تعلقات میں زیادہ ہوگی اسی قدر اس حکم میں تاکید زیادہ ہوتی جائے گی۔ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے، اٹھائیسواں پارہ پہلے ربع کا چوتھا رکوع: وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ۔ یعنی "باوجود اپنی ضرورتوں کے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے کہ ایک مسکین صحابی کے پاس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کوئی شخص بکری کا ایک بھنا ہوا سر لایا۔ اس صحابی نے وہ سر اپنے سے زیادہ محتاج ایک صحابی کے پاس بھیجدیا۔ اس دوسرے نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس۔ اسی طرح وہ سر نو شخصوں کے پاس پھرا۔ خدا تعالیٰ جل جلالہ کو ان کا یہ عمل نہایت پسند آیا۔ اس پر یہ آیت مذکورہ بالا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بہت سے مہمان آ گئے۔ حضورؐ نے حاضرین سے فرمایا، ان کی خدمت کرو۔ چنانچہ ہر ایک صحابی بقدر استطاعت ایک ایک دو دو مہمانوں کو اپنے گھر لے گیا۔ ایک صحابی مہمان کو لے کر گھر پہنچا تو گھر میں دو روٹیاں موجود تھیں جن پر ان کے سارے بال بچوں کو گذارہ کرنا تھا۔ اس مرد خدا نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو تو بھوکا سلا دو اور میں مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ جاؤں تو تم بتی نکالنے کے بہانے سے چراغ کو گل کر دینا۔ جب مہمان اور میزبان دونوں روٹیاں آگے رکھ کر بیٹھ گئے تو اس نیک بخت بی بی نے چراغ گل کر دیا۔ میزبان اندھیرے میں جھوٹ موٹ منہ ہلاتا رہا تاکہ یہ مہمان سمجھے کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں روٹیوں میں سے ایک نوالہ بھی اس مرد نے اپنے منہ میں نہ ڈالا۔ یہی نہیں بلکہ خود بھوکا رہا بلکہ مہمان کی خاطر سے اپنی بیوی اور بچوں کو بھوکا رکھا اور مہمان کو جو اس کا پیر بھائی تھا بھوکا رکھنا گوارا نہ کیا۔ اس صحابی کا یہ عمل یعنی چراغ گل کرنا اور بغیر لقمہ اٹھانے کے ہاتھ منہ کی طرف لے جانا، بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوا۔ جب صبح وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ اس کو دیکھ کر مسکرائے اور بہت خوش ہو کر فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو۔ تیرا

رات والا عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوگیا ہے۔ اور تیرے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایک آیت بھیجی ہے جس میں تجھے نجات کا وعدہ دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جنگ اُحد میں ایک صحابی زخم سے بے تاب ہو کر گرا اور نزع کی حالت میں پیاس کی شدت ہوئی تو کسی سے پانی مانگا۔ وہ شخص پانی لے کر اس کے سر پر پہنچا تو پاس سے ایک شخص نے ہائے پانی ہائے پانی پکارا۔ پہلے زخمی نے پانی والے کو کہا پہلے اس دوسرے زخمی کو پلاؤ، میں بعد میں پیوں گا۔ وہ شخص پانی لے کر دوسرے کے پاس گیا تو کسی تیسرے زخمی نے آواز دی۔ وہ تیسرے کی خدمت میں حاضر ہوا تو چوتھے زخمی نے پانی پانی پکارا۔ غرض وہ شخص اسی طرح پانی لئے ہوئے سات زخمیوں کے پاس گیا مگر ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کو پیاسا رکھ کر خود پانی پینا گوارا نہ کیا۔ جب وہ پانی کا پیالہ لے کر ساتویں کے سر پر پہنچا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ وہ پانی والا جس ترتیب سے گیا تھا اس ترتیب سے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب جان دے چکے ہیں۔ وہ پیالہ پانی کا جوں کا توں اس پانی والے کے ہاتھ میں موجود تھا۔ یہ ہیں سچے یارِ طریقت یا حقیقی پیر بھائی۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی گلستان میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ دو دوست ایک کشتی میں سوار تھے۔ اتفاقاً دونوں دریا میں گر پڑے۔ ملاح ایک کے پکڑنے کو پانی میں کود پڑا تو اس ڈوبنے والے نے کہا کہ میاں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور پہلے میرے اس یارِ طریقت کو پکڑو۔ اس کے ان الفاظ سے کشتی والے بہت بگڑے اور کہا۔ دیوانے تم اپنی جان تو پہلے بچالو! پھر دوسرے کی فکر کرنا۔ اس کے جواب میں جو فقرے اس ڈوبنے والے کی زبان سے نکلے وہ ایسے جامع ہیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں جو محبت کا دعویٰ کریں گی وہ سب انہیں فقروں کو اپنا دستور العمل بنائیں گی۔ یعنی اس نے کہا کہ زبانی جمع خرچ یا منہ سے کسی کو یار کہہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یار وہ ہوتا ہے جو مشکل کے وقت اپنے آرام کو یار کی مصیبت پر نثار کر دے اور اگر یار کی خدمت میں جان بھی کام آجائے تو دریغ نہ کرے ؎

چنیں کردند یاراں زندگانی!! ز کار افتادہ بشنو تا بدانی!!

ترجمہ: "دوستوں نے اپنی عمر کو ایسے بسر کیا، کسی بیکس سے سنتا تو تجھے معلوم ہوتا"
گلستان میں کسی دوسری جگہ بلبل شیراز یوں نغمہ طراز ہے ؎

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی!

ترجمہ: "اس شخص کو دوست مت گن جو کہ دولت مندی کے وقت دوستی کا دم بھرتا ہے۔
دراصل دوست وہی ہے جو پریشان حالی اور عاجزی کے وقت دست گیر ہو"
حقیقت میں یار کہلانا تو سہل ہے مگر یار طریقت بننا یا اس کا سچا نمونہ بن کر دکھانا مشکل کام ہے۔

میرے حضرت پیر و مرشد ہادی دمولی قدس سرہٗ العزیز سب سے زیادہ اس یار پر خوش ہوتے تھے جو یاروں کا سب سے زیادہ خدمت گزار ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دربار شریف سے چند زمیندار تجارت کی غرض سے امرتسر جاتے ہوئے علی پور آنکلے فقیر نے حتی الامکان ان کی خدمت کی۔ انہوں نے دربار شریف پہنچ کر سادا ماجرا حضور میں عرض کیا۔ آپ اس قدر خوش ہوئے کہ جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے۔

ایک بزرگ ساکن موضع لنگے کھوڈے ضلع گجرات کے پاس ایک شخص دودھ کا پیالہ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے باوجود خود بھوکا ہونے کے دوسرے شخص کو دے دیا۔ دوسرے نے تیسرے کو تیسرے نے چوتھے کو۔ غرض وہ پیالہ گردش کرتا رہا۔ مگر کسی نے ایک قطرہ بھی نہ پیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ کیا تم سب کے سب فرشتے بن گئے۔ اگرچہ ایسی ایسی نظیریں اس زمانہ میں ملنی دشوار ہیں مگر پھر بھی جہاں تک ہو سکے ہر ایک مسلمان کو ایسے پاک وجودوں کے پاک افعال کی تقلید کرنا چاہیئے۔

ابھی تھوڑے دن کا ذکر ہے ایک شخص احمد خاں گدو کے نامی ساکن ریاست بہاولپور کوٹھے پر چڑھ کر کسی نو وارد یا مہمان یا مسافر کا انتظار کرتا اور دعا مانگتا کہ الٰہی کسی مہمان کو بھیج کہ اس کے طفیل میں بھی اچھا کھانا کھالوں۔ آخر الامر اس کی دعا قبول ہوئی اور خدا تعالیٰ نے تھوڑے دنوں کے بعد اس کو لنگر جاری کرنے کی توفیق بخشی۔

اسی طرح فقیر کے یاروں میں سے عبداللطیف نامی ساکن کوہاٹ نے دعا کیواسطے التجا کی کہ خدا تعالیٰ مجھے اتنی توفیق بخشے کہ میں لنگر جاری کروں اور مسافروں کی خدمت کیا کروں۔

یارانِ طریقت کو ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر محبت ہونی چاہیئے کہ مال و متاع سب ایک دوسرے پر فدا کریں اور اصولِ طریقت بھی یہی ہے کہ ایک پیر بھائی اپنے نووارد پیر بھائی کے لئے اپنی سب چیزیں وقف سمجھے اور اس کی خدمت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر جہاں تک ممکن ہو کوئی دقیقہ اس کی خدمت گزاری میں فرو گذاشت نہ کرے۔ صرف زبانی جمع خرچ کرنے اور یار طریق کہلانے سے کبھی بھی کوئی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا عرب کا ایک قول ہے: المحبۃ یظہر بالید "یعنی محبت ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے"۔ اگر اس کے ثبوت کی ضرورت ہو تو دیکھو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات۔

جب مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پہنچے تو مدینہ شریف والوں نے اپنے یارانِ طریق کے ساتھ اس قدر ہمدردی کی کہ اگر ایک شخص کے پاس دو مکان تھے تو اس نے ایک مکان مہاجر کو دے دیا۔ اگر دو برتن تھے، تو ایک برتن اور اگر دو کپڑے تھے تو ایک کپڑا اپنے پیر بھائی کے حوالے کر دیا۔ یہانتک کہ اگر کسی کے نکاح میں دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اپنے مہاجر پیر بھائی کے لئے طلاق دے دی۔ درحقیقت سچا اسلام وہی تھا۔ سچے پیر بھائی وہی تھے۔

میرے گاؤں میں ایک بزرگ میاں غلام رسول صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ ان کا پنجابی میں ایک شعر ہے۔ فرماتے ہیں:-

جس نے داری کسے دی نہ کیتی نہ کیتا اس نوں راضی میاں قاضی !!

جے سے برساں پڑھے نمازاں تد بھی رب نہ راضی ہتھوں باضی ——— !

یعنی جو کوئی اپنے مہمان کی خدمت کر کے اسے راضی نہیں کرتا وہ صدہا سال تک نماز بھی پڑھے۔ پھر بھی اپنے خدا کو راضی نہیں کر سکتا بلکہ بجائے راضی کرنے کے ایسے شخص یعنی خدمت نہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ خود ناراض ہوتا ہے۔ اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں ۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد   ہر کہ نخوت کرد او محروم شد

حدیث شریف میں آیا ہے: سید القوم خادمھم۔ ایک دن جناب حافظ شہاب الدین صاحبؒ امام مسجد ٹبولیاں ساکن لاہور نے حضرت مولوی خلیفہ نظام الدین صاحب لاہوری وارد بمبئی (جو لاکھوں روپے کے مالک تھے) سے سوال کیا کہ آپ نے اس قدر روپیہ کس طرح حاصل کر لیا۔ آپ نے فرمایا: حافظ صاحب میں جس تنگی سے لاہور میں گذارہ کرتا تھا وہ آپ کو یاد ہے۔ بمبئی پہنچکر میں نے درویشوں کی خدمت شروع کی جس کی برکت سے لاکھوں روپے کا مالک بن گیا ہوں۔ آپ سے بھی ہو سکے تو درویشوں اور مسافروں کی خدمت کیا کرو۔

حافظ صاحب مرحوم نے ان کے فرمان کی تعمیل کے لئے کمر ہمت مضبوط باندھ لی۔ اور درویشوں کی خدمت شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحب تھوڑے ہی دنوں میں مالدار ہو گئے اور جس عزت سے حافظ صاحب نے لاہور میں دن بسر کئے وہ اہل لاہور سے مخفی نہیں اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں ان کے مہمانوں کی خدمت کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور انسان تو انسان حیوانوں کی خدمت کرنے میں بھی بڑے درجے ملتے ہیں بلکہ انسان پر حیوانوں کی خدمت گذاری واجب کی گئی ہے۔ کوئی پیمبر آج تک نہیں گزرا جس کو بکریاں چرانے کی خدمت سپرد نہ کی گئی ہو۔ اس میں ان کا امتحان ہوتا تھا۔ میرے قبلہ حضرت قدس سرہ العزیز کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مہمان حاضر خدمت ہوتا تو آپ باوجود ضعف پیری اور سو سال سے بھی زیادہ عمر ہونے کے بذات خود گھر میں تشریف لے جا کر چھاچھ یا شربت یا دودھ جو کچھ حاضر ہوتا اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لاتے۔ اور اگر کھانا تیار ہوتا تو لے آتے ورنہ اسی وقت کھانا تیار کرواتے۔ عمدہ اور لذیذ کھانے پکواتے اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ حق تو یہ ہے کہ جو لذت اس کھانے میں ہوتی تھی وہ اس سے پہلے اور پیچھے کبھی نصیب نہ ہوئی۔ فقیر اس جگہ اتنا کھا جاتا تھا کہ کبھی عمر بھر نہیں کھایا۔

حضرت خواجہ خان عالم صاحب نقشبندی مجددی نوری رحمۃ اللہ علیہ ساکن باڈی شریف ضلع گجرات کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی اجنبی پٹھان آپ کے ہاں اتفاقاً آجاتا تو اس کے لئے علیحدہ کھانا تیار کرواتے اور خود اپنے ہاتھ مبارک سے اس کی خدمت کرتے۔ اگر کوئی شخص خصوصیت کی وجہ پوچھتا تو فرماتے کہ میرے حضرت پیر و مرشد کے وطن مبارک کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے اور مہمانوں کی نسبت ان کی خصوصیت ہے۔

اب میں یار طریقت کے لغوی معنی بیان کرتا ہوں۔ یار فارسی لفظ ہے۔ اور اس کے معنی مددگار یا مدد کرنے والے کے ہیں ــــ طریقت کے معنی راہ کے ہیں مگر مطلق راہ نہیں۔ بلکہ وہ راہ جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف جانے والی ہو۔ پیر بھائی کے کیا معنی؟ جو دو شخص ایک پیر کے ملنے والے ہوں، ان کو تصوف کی اصطلاح میں پیر بھائی کہا جاتا ہے۔

جس طرح ایک شخص کے دو بیٹے ہوں ان کو مادر زاد بھائی کہا جاتا ہے۔ ویسا ہی ان دونوں کو پیر بھائی کہا جاتا ہے۔ ان پیر بھائیوں کا تعلق اور محبت ان جسمانی مادر زاد بھائیوں سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔ اس کو اپنے پیر بھائی کے دیکھنے سے اتنی خوشی حاصل ہو کہ اپنے متعلقین جسمانی سے کسی کے دیکھنے سے اتنی فرحت حاصل نہ ہو اور اس کے رنج و راحت میں شریک ہو۔ اس پیر بھائی کے رنج کو اپنا رنج، اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھے تو وہ شخص اس سچے خطاب پیر بھائی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ ساکن تونسہ شریف فرمایا کرتے تھے کہ لفظ پیر بھائی نہیں بلکہ پیڑ بھائی ہے۔ پیڑ پنجابی میں درد کو کہتے ہیں۔ کیا معنی جو شخص دکھ یا درد یا تکلیف میں اس کا بھائی بن کر اس کی تکلیف یا رنج مٹائے وہی پیر بھائی ہے۔ اس زمانہ میں تو بعض شخصوں کو اس نام سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔ ہاں بعض یاران طریقت اس کلمہ کو اپنی عزت اور فخر کا باعث سمجھ کر ادنیٰ سے ادنیٰ یا غریب سے غریب یار طریق کو فخریہ طور پر پیر بھائی کے نام سے پکارتے ہیں اور یہ مقولہ ان کی زبان پر ہوتا ہے ؎

مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے　　زلیخا ہر گلی کوچہ میں بے توقیر پھرتی ہے

وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح ایک شخص کے دو بیٹے ہوں۔ ایک لاکھ روپیہ کا مالک اور

دوسرا مفلس و عاجز۔ مگر باپ کے بیٹے ہونے میں وہ دونوں شامل ہیں اور وہ مالدار اس مسکین کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے باپ کا بیٹا نہیں ہے۔ ولدیت میں دونوں برابر شامل ہوں گے۔ ویسے ہی دو پیر بھائی خواہ وہ کسی حیثیت کے ہوں، ان کے پیر بھائی کہلانے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو ایسا کرتے ہیں ان کی سخت غلطی ہے۔

میرے یاروں میں سے ایک شخص شیخ محمد ابراہیم صاحبؒ[1] وکیل ریاست بیکانیر جو بڑے اعلیٰ پایہ کے آدمی ہیں اور مہاراجہ صاحب کے دربار میں کمال درجہ کا اعزاز حاصل ہے۔ ہمیشہ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ مسکین و غریب یار طریقت کو پیر بھائی کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کے کام کو بلا محنتانہ اپنا کام سمجھ کر بلکہ اپنے ذاتی کام سے بھی بڑھ کر سر انجام دیتے ہیں خدا تعالیٰ اوروں کو بھی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

اب ہم اس مسئلہ میں ایک شرعی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ناظرین کو وہ فیصلہ سنانا چاہتے ہیں جو قرآن کریم اور حدیث شریف نے اس مسئلہ کے متعلق فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ دیکھو پارہ ۲۶:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی "مومن بھائی ہیں"

دوسری جگہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ دیکھو پارہ چھٹا۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی "خدا تعالیٰ کے محبوب لوگ وہ ہوتے ہیں جو مومنوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آئیں" ایک اور جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے رفیقوں کی صفت اسی طرح بیان ہوئی ہے۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ یعنی "وہ لوگ آپس میں محبت اور شفقت کا برتاؤ رکھتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و اصحابہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اسے نیک دوست عطا فرماتا ہے۔ تاکہ وہ اگر کہیں خدا کو بھول جائے تو

---

[1] المتوفی بیکانیر ۸ جون ۱۹۲۷ء (قصوری)

دوست اسے یاد دلاتا رہے اور اگر وہ شخص خدا کی یاد میں لگا رہے تو دوست اس کا مددگار رہے۔ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ جہاں کہیں دو مومن مل بیٹھیں ایک کو دوسرے سے دین کا ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا جو شخص کسی کو خدا کے لئے اپنا بھائی بنالے۔ جنت میں ایسا درجہ بلند عطا کیا جائے گا جو کسی اور عبادت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو ادریس خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا۔ میں آپ کو خدا کے واسطے دوست رکھتا ہوں۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" یہ بات ہے تو میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے ارشاد فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن عرش کے گرداگرد کرسیاں بچھائی جاویں گی۔ ان پر ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہونگے۔ اس وقت سب لوگ ڈر رہے ہوں گے۔ مگر یہ کرسی نشین اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ یہ لوگ خدا کے دوست ہیں۔ جن کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ غم۔ لوگوں نے عرض کی۔ خدا کے حبیبؐ! یہ کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا! اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ " وہ لوگ ہوں گے جو ایک دوسرے کو خدا کے واسطے دوست رکھتے ہیں"۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ وہ آدمی جو آپس میں اللہ کے واسطے دوستی رکھتے ہیں۔ ان میں خدا کے نزدیک زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اپنے دوست کو زیادہ پیار کرے۔

فرمایا! حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری دوستی کے وہ لوگ حقدار ہیں جو ایک دوسرے سے میرے واسطے ملاقات کریں۔ میرے لئے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی رکھیں۔ مجھے راضی کرنے کے واسطے اپنے مال سے ایک دوسرے کی تکلیف دور کریں اور میرے ہی لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں میرے واسطے محبت رکھتے تھے تاکہ آج جب کہ پناہ لینے کو سایہ کہیں نہیں ہے ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔

فرمایا جو شخص خدا کے واسطے اپنے دینی بھائی سے ملاقات کرتا ہے۔ اس کے پیچھے فرشتہ

ندا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بہشت تجھے مبارک ہو

فرمایا ایک شخص اپنے کسی دوست کی ملاقات کو جا رہا تھا۔ خدا کے حکم سے اسے ایک فرشتہ رستہ میں ملا اور اس شخص سے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا فلاں بھائی سے ملنے جاتا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تمہیں اس سے کچھ کام ہے۔ کہا کچھ نہیں پھر پوچھا وہ شخص تمہارا کوئی رشتہ دار ہے۔ کہا کوئی نہیں۔ پھر پوچھا کہ اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے جس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے تم وہاں جا رہے ہو۔ کہا کوئی نہیں۔ فرشتے نے کہا جب تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو پھر اس سے ملنے کیوں جاتے ہو۔ اس نے کہا بھائی مَیں تو صرف خدا کے واسطے اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اور خدا کے واسطے مجھے اس سے محبت ہے۔ فرشتے نے کہا تمہیں مبارک ہو کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس اس واسطے بھیجا ہے کہ تجھے یہ خوشخبری سناؤں کہ خدا تعالیٰ تجھے دوست رکھتا ہے۔ اس واسطے کہ تو اسے دوست رکھتا ہے اور تیرے واسطے خدائے کریم نے اپنے اوپر بہشت کو واجب کیا ہے۔

فرمایا ایمان کے بارے میں بہت مضبوط دستاویز وہ دوستی اور وہ دشمنی ہے جو خدا کے واسطے ہو۔

خدا تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ تم نے یہ زہد جو اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے تم دنیا اور رنج دنیا سے چھوٹ کر آرام میں ہو گئے۔ میری یہ عبادت جو تم کر رہے ہو اس سے تمہیں ہمارے دربار میں عزت حاصل ہو گئی ہے۔ لیکن دیکھو تو کبھی تم نے میرے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی بھی رکھی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عیسیٰؑ! اگر تم بالفرض کل زمین والوں اور کل آسمان والوں کی عبادتیں بھی بجالاؤ۔ اور ان عبادتوں میں کسی کی دوستی یا دشمنی میرے واسطے نہ ہو تو وہ سب عبادتیں بے فائدہ ہوں گی۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا یا روح اللہ! ہم کس کی صحبت میں بیٹھا کریں۔ فرمایا ایسے شخص کی صحبت میں جس کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے جس کی باتیں تمہارے علم کو بڑھائیں اور جس کے اعمال تمہیں آخرت کیطرف مائل کریں۔

حضرت داؤد علیہ السّلام پر خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ داؤدؑ لوگوں سے بھاگ کر تنہا کیوں بیٹھ رہا ہے۔ عرض کی الٰہی! تیری محبت نے لوگوں کی یاد میرے دل سے محو کر دی اور میں سب سے متنفر ہو گیا ہوں۔ ارشاد ہوا داؤدؑ! ہوشیار رہو۔ اپنے واسطے کوئی دینی بھائی پیدا کرو۔ اور جو شخص دین کی راہ میں تمہارا مددگار نہ ہو اس سے دور بھاگو کہ وہ تمہارے دل کو سیاہ کرے گا۔ اور مجھ سے تمہیں دور رکھے گا۔

سلطان الانبیاء علیہ وآلہ الصلوٰۃ وسلّم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا آدھا جسم برف سے بنا ہے اور آدھا آگ سے۔ وہ دعا مانگتا ہے کہ الٰہی جس طرح تو نے برف اور آگ میں الفت ڈال دی ہے اسی طرح اپنے نیک بندوں کے دلوں میں بھی الفت ڈال دے۔

فرمایا جو لوگ خدا کے واسطے آپس میں دوستی رکھتے ہیں۔ ان کے لئے قیامت کیدن یاقوت سرخ کا ایک ستون کھڑا کیا جائے گا جس کی چوٹی پر ستر ہزار دریچے ہوں گے۔ ان پر سے وہ لوگ اہل جنّت کو جھک جھک کر دیکھیں گے۔ ان کے چہروں کا نور اہلِ جنّت پر اس طرح پڑے گا جس طرح آفتاب کا نور زمین پر پڑتا ہے۔ اہلِ جنّت کہیں گے چلو ان کو دیکھیں۔ ان لوگوں کے بدن میں سندس کا سبز لباس ہوگا اور ان کی پیشانیوں پہ لکھا ہوگا اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ یعنی "وہ لوگ خدا کے واسطے دوستی کرنے والے ہیں"۔

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے وقت بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیا کہ اے خداوند دوجہان تو جانتا ہے کہ میں گناہ کرتے وقت تیرے فرمانبردار بندوں کو دوست رکھتا تھا۔ اس کام کو میرے گناہوں کا کفارہ کر۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا کے واسطے دوستی رکھنے والے جب ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو ان سے اس طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے موسمِ خزاں میں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں اس مسئلہ کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے' وہ قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! جب

برادری اور صحبت کا عہد ہو گیا تو اس کو عقدِ نکاح کی مانند سمجھ کر جو اس کے حقوق ہیں، ان کے ادا کرنے میں جان و دل سے ساعی رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی سی ہے کہ ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔

اور صحبت و محبت کے حقوق دس قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس کا مال سے تعلق ہے۔ اور یہ حق سب حقوق میں پہلے درجہ پر ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کے حق کو مقدم سمجھے اور اپنا حصّہ اسے دے ڈالے۔ جیسا کہ انصار کے حق میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ یعنی "وہ اختیار کرتے ہیں اپنی ذاتوں پر اگرچہ انکو احتیاج ہو"۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کو اپنے جیسا سمجھے۔ یعنی اپنے اور اس کے درمیان اپنے مال کو مشترک جانے۔ اور سب سے آخری درجہ یہ ہے کہ دوست بھائی کو اپنا خادم یا غلام سمجھا جائے۔ یعنی جو چیز اپنی حاجت سے زیادہ ہو وہ اس کو دیجائے لیکن اس سبب سے ادنٰے درجہ میں بھی اِس بات کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ محتاج دوست کو سوال نہ کرنا پڑے۔ اگر سوال تک نوبت پہنچی تو دوستی جاتی رہی۔ یہ دوستی یا صحبت اربابِ محبت کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

عتبۃ الغلام کا ایک دوست تھا۔ اس نے چار ہزار درم طلب کیا۔ عتبۃ الغلام نے کہا اس وقت دو ہزار درم لے جاؤ۔ دو ہزار پھر لے جانا۔ اس دوست نے جواب دیا۔ عتبۃ الغلام تیری غیرت کو کیا ہوا۔ للہ دوستی کا تو دعوٰی کرتے ہو پھر دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہو۔

کسی بادشاہ کے روبرو حضرت صوفیائے کرام کے ایک گروہ کے حق میں لوگوں نے چغلی کھائی۔ اس پر سب صوفیوں کے واسطے تلوار کھینچی گئی۔ ان میں خواجہ ابوالحسن نوری قدس سرہٗ بھی موجود تھے۔ سب سے پہلے آگے بڑھ کر کہا کہ پہلے مجھے قتل کرو۔ بادشاہ نے کہا کہ تم کیوں آگے بڑھتے ہو؟ کیا تمہیں اپنی جان عزیز نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ سب صوفی میرے دوست بھائی ہیں اور مجھے اس وقت موت کا یقین ہو چکا ہے۔ چاہتا ہوں

کہ ایک گھڑی پہلے ان سب سے جان دوں تاکہ وہ جان ان پر نثار ہو جاتے یہ جواب سن کر بادشاہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ سبحان اللہ! ایسے با مروت لوگ اگر قتل کے لائق ہیں تو میں نہیں جانتا کہ زندہ رہنے کے لئے ان سے بہتر کون سے لوگ ہوں گے۔ پھر سب کو رہا کر دیا۔

حضرت فتح موصلی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک دوست کے گھر گئے۔ وہ گھر میں نہ تھا۔ اس کی لونڈی سے کہا کہ اپنے مالک کا صندوقچہ لا۔ وہ لائی۔ جو کچھ درکار تھا صندوقچہ میں سے لے لیا۔ جب وہ دوست اپنے گھر آیا اور یہ ماجرا سنا تو خوشی کے مارے اس نے لونڈی کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص نے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ آپ سے دوستی اور برادری کر دوں۔ آپ نے فرمایا میاں تمہیں برادری کے حقوق بھی معلوم ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ایک حق تو یہ ہے کہ تو اپنے سونے چاندی بلکہ ساری جائیداد میں مجھ سے زیادہ حقدار نہ رہے۔ اس نے عرض کی حضرت ابھی میں اس درجہ کو نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا تو بس چلے جاؤ۔ دوستی اور برادری تمہارا کام نہیں ہے۔

مسروق اور خشیمہ رحمۃ اللہ علیہما میں دوستی تھی اور دونوں صاحب قرضدار تھے لیکن ایک نے دوسرے کا قرض اس طرح ادا کر دیا کہ دوست کو خبر تک نہ ہوئی۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بیس[۲۰] درم کسی دوست کے کام آویں تو وہ اس سو درم سے بہتر سمجھتا ہوں جو فقیروں کو خدا کے واسطے دوں۔

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل میں دو مسواکیں بنائیں۔ ایک ٹیڑھی تھی اور دوسری سیدھی۔ ایک صحابی بھی حاضر خدمت تھے۔ آپ نے سیدھی مسواک تو ان کو عطا فرمائی اور ٹیڑھی خود رکھ لی۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اے خدا کے حبیبؐ! یہ مسواک اچھی ہے، آپؐ لیجئے اور ٹیڑھی مسواک مجھے دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا یاد رکھو! جب کوئی شخص کسی کے ساتھ گھڑی بھر صحبت رکھے تو قیامت کے دن اس سے ضرور سوال ہوگا کہ آیا تو نے حق صحبت ادا کیا یا نہیں؛ آپؐ کا یہ فرمان صاف بتلا

رہا ہے کہ حقِ صحبت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے کام کی چیز دوست کو دیوے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو آدمی باہم صحبت رکھتے ہیں تو ان دونوں میں خدا کا بڑا دوست وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ شفقت کرے۔

صحبت کے حقوق کی دوسری قسم یہ ہے کہ دوست سب کاموں میں اپنے دوست کی طرف سے خواہش ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس کی یاری و مدد کرے۔ خوشی خوشی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ دوست کی خدمت گذاری میں مصروف رہے۔ پہلے بزرگوں کی عادت تھی کہ ہر روز اپنے دوستوں کے دروازے پر جاکر گھر والوں سے پوچھتے کہ کیا کرتے ہو۔ لکڑی آٹا نمک ہے یا نہیں؛ دوستوں کے کام کو اپنے کام کی طرح ضروری جانتے۔ کام کرتے تو بجائے دوست پر احسان کرنے کے خود احسانمند ہوتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دینی بھائی مجھے اپنے بیوی بچوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے خدا یاد آتا ہے اور جورو بچے دنیا یاد دلاتے ہیں۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کم سے کم تین دن کے بعد اپنے دوستوں کی ضرور خبر لیا کرو۔ بیمار ہوں تو ان کی خدمت کیا کرو۔ کسی کام میں مصروف ہوں تو ان کی مدد کیا کرو اور اگر بھول گئے ہوں تو ان کو یاد دلایا کرو۔

حضرت جعفر ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دشمن جب تک مجھ سے بے پرواہ نہ ہو جائے تب تک میں اس کی حاجت روائی میں جلدی کیا کرتا ہوں تو دوست کے حق میں کیا کروں۔

اگلے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنے دوست کی وفات کے بعد چالیس برس تک حقِ صحبت کی رعایت سے اس کے جورو لڑکوں کی خدمت کی۔

تیسری قسم زبان سے متعلق ہے کہ اپنے بھائیوں کے حق میں اچھی بات کہے اور ان کے عیبوں کو چھپائے۔ اگر کوئی ان کی پیٹھ پیچھے ان کا ذکر کرے تو اس کا جواب دے اور

یہ سمجھے کہ وہ دیوار کے پیچھے سن رہا ہے۔ جس طرح اپنی پیٹھ پیچھے اس کا رہنا چاہتا ہے اسی طرح اس کے پیٹھ پیچھے خود بھی رہے۔ چرب زبانی نہ کرے۔ جب وہ اس سے کچھ کہے تو مان لے تکرار نہ کرے۔ اس کا راز فاش نہ کرے گو کہ اس سے انقطاع ہو چکا ہو کیونکہ یہ امر بدظنی سے ہوتا ہے۔ اس کے زن و فرزند اور احباب کی غیبت نہ کرے۔ اگر کسی نے اس کی شکایت کی ہو تو اس سے نہ بیان کرے۔ اس واسطے کہ اگر کہے گا تو اسے رنج دے گا۔ اگر لوگ اس کی تعریف کریں تو اس سے نہ چھپائے۔ اس واسطے کہ یہ امر حسد کی دلیل ہے۔ اگر اس نے اس کی شکایت کی یا کچھ تقصیر کی ہے تو شکایت نہ کرے اور معاف کر دے۔ اور اپنا قصور یاد کرے جو خدا کی عبادت میں کرتا ہے۔ تاکہ اپنے حق میں کسی کے قصور کو اچنبھا نہ جانے اور یہ سمجھے کہ اگر کوئی ایسے شخص کو ڈھونڈے جو بے خطا اور بے عیب ہو تو ہرگز نہ پائے اور خلق کی صحبت چھوڑ دیوے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن ہمیشہ بھلائی ڈھونڈتا ہے اور منافق سدا عیب ڈھونڈتا ہے۔ چاہیئے کہ ایک نیکی کے بدلے دس تقصیریں چھپائے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ برے آشنا سے پناہ مانگنا چاہئے۔ اس واسطے کہ جب وہ برائی دیکھتا ہے تو ظاہر کر دیتا ہے۔ جب اچھائی دیکھتا ہے تو چھپاتا ہے۔

جب کوئی قصور معذرت کے لائق ہو تو اسے معاف کر دے اور نیک گمان کرے اس واسطے کہ بدگمانی کرنا حرام ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے مومن کی چار چیزوں کو دوسروں پر حرام کیا ہے۔ مال۔ جان۔ آبرو۔ بدگمانی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اپنے برادر کو سوتا دیکھتا ہے تو اس کی شرمگاہ سے کپڑا اتارتا ہے تاکہ وہ ننگا ہو جائے۔ لوگوں نے کہا یا روح اللہ! اس امر کو کون روا رکھے گا۔ فرمایا تم ہی روا رکھتے ہو۔ اس واسطے کہ اپنے برادر کا راز فاش کرتے ہو تاکہ اور لوگ اس سے واقف ہو جائیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جب تو کسی کے ساتھ دوستی کرنا چاہے تو پہلے اس کو غصہ میں لا۔ پھر کسی کو اس کے پاس مخفی بھیج تاکہ تیرا ذکر چھیڑے اور اگر وہ تیرا افشاء راز کرے تو جان لے کہ وہ دوستی کرنے کے قابل نہیں۔ اور یہ بھی بزرگوں نے کہا ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ دوستی کر کہ تیرا حال جو خدا جانتا ہے وہ جانے اور جس طرح خدا تعالےٰ چھپاتا ہے وہ چھپائے۔

کسی شخص نے ایک دوست سے اپنا راز کہا اور پوچھا تو نے اس بات کو یاد کر لیا۔ اس نے کہا نہیں بھولا ہوا ہوں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جو چار وقتوں میں تجھ سے بدل جائے وہ دوستی کے قابل نہیں۔ خوشی کے وقت، غصہ کے وقت، طمع کے وقت، خواہش نفسانی کے وقت۔ چاہیئے کہ ان وقتوں میں تیرے حق سے نہ گذرے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجھے اپنا مقرب کیا ہے اور بوڑھوں پر ترجیح دی ہے۔ خبردار پانچ باتیں یاد رکھنا۔ ایک ان کے راز کو فاش نہ کرنا۔ دوسرے ان کے سامنے غیبت نہ کرنا۔ تیسرے ان سے کوئی جھوٹ بات نہ کہنا۔ چوتھے ان کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔ پانچویں وہ تجھ سے ہرگز کوئی خیانت نہ دیکھنے پائیں۔

اے عزیز! تو جان کہ کوئی چیز دوستی میں اتنا فساد اور خلل نہیں ڈالتی جتنا مناظرہ اور خلاف خلل ڈالتا ہے۔ دوست کی بات کو رد کیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا اس کو احمق اور جاہل کہا اور اپنے تئیں عاقل اور فاضل سمجھا اور اس سے تکبر کیا۔ چشم حقارت سے اسے دیکھا۔ یہ باتیں دشمنی سے ملی ہوئی ہیں۔ دوستی سے نہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے بھائی کے کلام میں خلاف نہ کرو۔ اس سے ٹھٹھا نہ کرو اور اس کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرو۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تو نے اپنے بھائی سے کہا چل۔ اس نے کہا کہاں تک! تو وہ صحبت کے قابل نہیں بلکہ چاہیئے کہ فوراً اٹھ کھڑا ہو اور کچھ نہ پوچھے۔

حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا ایک دوست تھا۔ میں جو کچھ اس سے مانگتا وہ دے دیتا۔ ایک بار میں نے اس سے کہا کہ فلانی چیز کی مجھے ضرورت ہے۔ اس نے کہا کس قدر درکار ہے۔ پس اس کی دوستی کی حلاوت میرے دل سے جاتی رہی۔ دوستی کا نباہ اس امر میں موافقت کرنے سے ہوتا ہے جس میں موافقت کر سکیں۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ زبان سے شفقت اور محبت ظاہر کرے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِذَا اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُخْبِرْہٗ یعنی "جب کوئی شخص کسی کو دوست رکھے تو اسے خبر دے" آپ ؐ نے یہ اس واسطے فرمایا ہے تاکہ اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو۔ اس صورت میں دوسرے کی طرف سے دوگنی محبت ہوگی۔ چاہیئے کہ اس کی تمام احوال پرسی کرے۔ رنج و راحت میں اس کا شریک رہے۔ اس کے رنج کو اپنا رنج، اس کی خوشی کو اپنی جانے۔ جب اسے پکارے تو اچھے نام کے ساتھ پکارے۔ اگر اس کا کچھ خطاب ہے تو اسی سے پکارے کہ وہ اسے بہت دوست رکھتا ہوگا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ یار کی دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اسے اچھے نام سے پکارا کرو۔ دوسرے یہ کہ پہلے خود اسے سلام کیا کرو۔ تیسرے یہ کہ اپنے سے پہلے اسے بٹھا۔ ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی ایسی تعریف کر جو اسے پسند ہو۔ اس طرح اس کے جورو، لڑکوں اور متعلقوں کی بھی تعریف کر۔ ایسے کام سے دوستی بہت مضبوط ہوتی ہے اور وہ جو احسان کرے اس کا شکر کر۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہ کرے گا وہ نیک کام پر بھی شکر نہ کرے گا۔ اور چاہیئے کہ اس کی پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے۔ جو شخص اس پر طعن کرتا ہے اس کے کلام کو رد کرے۔ اور دوست کو اپنی مانند جانے۔ جس کسی کے سامنے برائی کے ساتھ اس کے دوست کا ذکر آئے اور چپ ہو رہے تو یہ امر ایسا ہے کہ گویا دوست کو پٹتے دیکھا اور مدد نہ کی اور چپ ہو رہا۔ بلکہ بات کا گھاؤ بہت کاری ہوتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ جب کسی نے میرے دوست کے پیٹھ

پیچھے اس کا ذکر کیا تو میں نے فرض کر لیا کہ وہ دوست موجود ہے اور سنتا ہے۔ تو ایسا جواب جواب دیا جیسے میں نے چاہا کہ وہ دوست سُنے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بیلوں کو دیکھا کہ زمین پر بندھے ہوئے ہیں۔ جب ایک اٹھا تو دوسرا بھی اٹھا۔ یہ دیکھ کر آپ بے اختیار روئے اور فرمایا کہ برادرانِ دینی بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ کھڑے ہونے اور چلنے میں ایک دوسرے کی متابعت کرتے ہیں۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ علم دین میں جو اسے ضروری ہو سکھاوے۔ اس واسطے کہ اپنے بھائی کو دوزخ کی آگ سے بچانا۔ دنیا کے رنج والم سے چھڑانے کی بہ نسبت اولیٰ ہے اگر علم سیکھنے کے بعد اس پر عمل نہ کرے تو اس کو نصیحت کرے اور خدا سے ڈرائے۔ مگر چاہیئے کہ یہ نصیحت تنہائی میں ہو تاکہ مہربانی کی دلیل ہو۔ اس واسطے کہ برملا نصیحت کرنے میں رسوائی ہے اور جو کچھ کہنا ہے نرمی سے کہے۔ سختی سے نہ کہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ مِرْآۃُ الْمُؤْمِنِ۔ یعنی "مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے عیب ونقصان کو ایک دوسرے سے معلوم کرے اور جب تیرے بھائی نے مہربانی سے تنہائی میں تیرا عیب کہا تو چاہیئے کہ اس کا احسان مان اور خفا نہ ہو۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص تجھے اطلاع کرے کہ تیرے کپڑے کے اندر سانپ یا بچھو ہے تو تو اس سے خفا نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا احسان ماننے گا۔ سب سے برے اخلاق آدمی میں سانپ اور بچھو کی مانند ہیں۔ مگر ان کا زخم قبر میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کا زخم روح پر ہوتا ہے۔ وہ اس جہان کے بچھو سے زیادہ موذی ہیں۔ اِس واسطے کہ اِن کا زخم بدن پر ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر خدا کی رحمت ہو جو میرے عیب کو میرے سامنے ہدیہ لائے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو فرمایا: اے سلمان! سچ سچ بتاؤ میرا وہ احوال جو تمہیں

برا معلوم ہو۔ تم نے کیا دیکھا اور کیا سُنا۔ انہوں نے کہا مجھے اس امر سے معاف رکھئے فرمایا: ضرور بیان کرو۔ جب بہت الحاح کیا تو حضرت سلمانؓ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک وقت میں آپ کے دستر خوان پر دو طرح کا کھانا ہوتا ہے اور آپ کے پیراہن دو ہیں۔ ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ نے فرمایا: یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اور کچھ سُنا ہے کہ نہیں۔

حذیفہ المرعشی نے یوسف اسباط رحمہ اللہ تعالےٰ کو خط لکھا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو نے اپنا دین دو جَو کے بدلے بیچ ڈالا۔ یعنی بازار میں کسی چیز کی تو نے خریداری کی۔ مالک نے کہا یہ چیز ایک دانگ کی ہے۔ تو نے کہا تین ملسوج یعنی دو حبہ قیمت ہے۔ اس نے اس واسطے دے دی کہ تجھے پہچانتا تھا تو اس نے یہ مسامحت اور رعایت تیری دیانتداری اور پرہیزگاری کے سبب سے کی۔ غفلت کا نقاب سر سے اتار اور خواب غفلت سے بیدار ہو۔

اے عزیز جان تو کہ جس نے قرآن اور علم حاصل کیا اور پھر دنیا کی رغبت کی مجھے خوف ہے کہ وہ خدا کی آیتوں سے دلگی بازی کرتا ہے۔ پس دین کی رغبت کی نشانی یہ ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ نصیحت کی باتوں سے ناصح کا احسانمند ہو۔ حق تعالیٰ نے جھوٹوں کی شان میں ارشاد فرمایا: وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ۔ اور جو شخص ناصح کو دوست نہیں رکھتا۔ اس سبب سے غرور و تکبر اس کے دین اور عقل پر غالب ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس جگہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے عیب سمجھے ہی نہیں اور اگر سمجھ جائے تو اشارۃً نصیحت کرنا چاہیئے۔ نہ صراحتہً اور علانیۃً کرنا چاہیئے۔

اور اگر وہ اس قسم کا عیب ہے کہ تیرے ہی بارے میں تقصیر کی ہے تو اسے پوشیدہ کرنا اور اس سے انجان بن جانا اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ دوستی سے دل سے نہ پھر جائے۔ اور اگر پھر جائے گا تو چھپا کر غصہ کرنا قطعِ محبت سے اولیٰ ہے اور قطعِ محبت جھگڑنے اور زبان درازی کرنے سے بہتر ہے۔ چاہیئے کہ صحبت رکھنے سے مقصود یہ ہو کہ برے بھائیوں سے برداشت اور تحمل کرنے سے تو اپنے اخلاق درست کرے۔ یہ نہیں کہ ان سے بھلائی کی امید کرے۔

ابو کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا ایک مصاحب تھا۔ اس کے سبب سے میرے دل پر گرانی تھی۔ میں نے اس نیت سے اسے کچھ دیا کہ میرے دل سے گرانی نکل جائے۔ مگر نہ نکلی۔ آخر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لایا اور کہا اپنا کف پا میرے منہ پر رکھ۔ اس نے کہا ہرگز ہرگز یہ امر نہ ہوگا۔ میں نے کہا ضرور بالضرور اور خواہ مخواہ ایسا کر۔ حتیٰ کہ اس نے اپنا تلوا میرے منہ پر رکھا تو وہ گرانی میرے دل سے جاتی رہی۔

ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ عبداللہ رازی کا رفیق ہو کر میں سفر گیا۔ انہوں نے کہا راستے میں سردار میں رہوں یا تم رہو گے۔ میں نے کہا تم رہو۔ انہوں نے کہا جو کچھ میں کہوں، میری فرمانبرداری کرنا۔ میں نے کہا بسر و چشم۔ انہوں نے توبرہ مانگا۔ میں نے لا کر حاضر کیا۔ زادِ راہ اور کپڑے جو کچھ پاس تھا اس میں بھر کر انہوں نے اپنی پیٹھ پر لادا اور چل نکلے۔ ہر چند ان سے میں نے کہا مجھے دیجئے تاکہ آپ تھک نہ جائیں۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں سردار پر حکومت نہیں پہنچتی ہے۔ تم فرمانبردار ہو۔ ایک رات مینہہ برسنے لگا۔ صبح تک میرے اوپر کمبل تانے کھڑے رہے تاکہ مجھ پر مینہہ نہ پڑے۔ جب میں گفتگو کرتا تو کہتے میں سردار ہوں تم فرمانبردار ہو۔ میں اپنے دل میں کہتا کہ کاش میں انہیں سردار نہ بناتا۔

چھٹی قسم: جو چوک اور قصور ہو جائے اسے بخش دینا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی بھائی قصور کرے تو ستر طرح کی عذر خواہی تو اپنی طرف سے کر۔ اگر نفس قبول نہ کرے تو اپنے دل سے کہہ کر تو نہایت بدخو اور بدذات ہے کہ تیرے بھائی نے ستر عذر کئے اور تو نے نہ مانا۔

اگر وہ قصور ایسا ہے جس میں گناہ ہو تو اس کو لازمی ہے نصیحت کر تاکہ چھوڑ دے اگر اس پر وہ اصرار نہیں کرتا تو تو خود نادان اور انجان بن جا اگر اصرار کرتا ہے تو اس کو نصیحت کر۔ اور اگر نصیحت سود مند نہ ہو تو اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے کہ پھر کیا کرنا چاہیئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قطع محبت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب للہ دوستی کی تو اب بھی خدا ہی کے واسطے اُسے دشمن بنا۔

حضرت ابوالدرداء اور صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے ایک گروہ نے کہا ہے
کہ قطع محبت نہ کرنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ امید ہے کہ اس گناہ سے وہ پھر جائے۔
لیکن ایسے شخص سے ابتداء دوستی کرنا نہ چاہیئے۔ جب محبت کر چکے تو قطعِ الفت نہ
کرنا چاہیئے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بھائی کو کوئی گناہ کرنے کے سبب سے
نہ چھوڑ دے۔ اس واسطے کہ شاید آج کرتا ہے کل نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عالم
کی خطا سے حذر کرو۔ اس سے قطعِ عقیدت اور ترکِ محبت نہ کرو۔ امید ہے کہ اس
گناہ سے جلد باز آئے۔

بزرگانِ دین میں دو دوست بھائی تھے۔ ان میں سے ایک خواہشِ نفسانی کے سبب
سے کسی آدمی پر عاشق ہو گیا۔ اور اپنے دوست سے کہا کہ میرا دل بیمار ہوا ہے۔ مجھے عشق
کا آزار ہوا ہے۔ تیرا جی چاہے تو عقدِ اخوت چھوڑ دے۔ رشتۂ محبت توڑ دے۔ اس
نے کہا معاذ اللہ میں ایک گناہ کے سبب سے تیری دوستی چھوڑ دوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
ایک مرضِ عشق کی وجہ سے رشتۂ محبت توڑ دوں اور عزم بالجزم کر لیا کہ میرے دوست کو
شافی برحق اس مرض سے جب تک شفا عنایت نہ کرے گا نہ کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا۔
بالکل فاقہ کروں گا۔ چالیس دن نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ پھر پوچھا کہ کیا حال ہے۔ کہا وہی حال ہے
وہی اندوہ و ملال ہے۔ پھر آب و دانہ سے صبر کیا اور دُبلا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے
آکر کہا کہ اب فضلِ خدا ہوا۔ میرا دل عشق سے ٹھنڈا ہوا۔ تب اس دوستِ صادق نے
کھانا کھایا اور شکرِ خدا بجا لایا۔ ایک شخص سے لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی دینداری چھوڑ کر
معصیت میں پڑا ہے تو اس سے دوستی کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اُسے
آج بھائی کی بڑی ضرورت ہے۔ اس واسطے کہ اس کا کام خراب ہو گیا ہے۔ میں اسے کیونکر
چھوڑ دوں بلکہ یہ تو اس کی دست گیری کا وقت ہے کہ مہربانی کر کے اسے سمجھاؤں اور
دوزخ سے بچاؤں۔

بنی اسرائیل میں دو دوست تھے۔ دونوں ایک پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے۔

ایک ان میں سے شہر میں کوئی چیز خریدنے گیا۔ قضا کار اس کی نگاہ ایک خراباتی عورت پر پڑی۔ عاشق ہو کر وہیں رہ گیا۔ جب کئی دن گذر گئے تو اس کا دوست ڈھونڈنے نکلا اور یہ ماجرا سن کر اس کے پاس آیا۔ یہ شرمندہ ہو کر بولا میں تجھے نہیں جانتا۔ اس نے جواب دیا اے بھائی تو کچھ تردد نہ کر۔ مجھے جتنی مہربانی تیرے ساتھ آج کے دن ہے پہلے ہرگز اتنی نہ تھی۔ اور اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر بوسہ دیا۔ جب اس نے اتنی مہربانی دیکھی تو سمجھا کہ میں اس کی نظروں سے نہیں گرا ہوں۔ اٹھا اور توبہ کی اور اس کے ساتھ چلا گیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب سلامتی سے نزدیک ہے اور حضرت ابو درداءؓ کا طریقہ بہت پاکیزہ اور فقیہانہ ہے۔ اس واسطے کہ توبہ کا سبب ہوتا ہے۔ اور آدمی کو عاجزی اور درماندگی کے وقت دینی بھائیوں کی حاجت پڑتی ہے تو ان کو کیونکر چھوڑ دیں۔ نفقہ کی وجہ ہے کہ دوستی کا عقد جو باندھا تھا تو وہ قرابت کا حکم رکھتا ہے۔ تو گناہ کے سبب سے قطع رحم کرنا درست نہیں ہے۔ اسی واسطے حق تعالے نے فرمایا فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی قرابت والے تیری نافرمانی کریں تو تو کہدے کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔ یہ نہ کہہ کہ میں تم سے بیزار ہوں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا بھائی گناہ کرتا ہے تم اس سے دشمنی کیوں نہیں رکھتے۔ کہا میں اس کے گناہ سے تو بیزار ہوں لیکن وہ میرا بھائی ہے۔ مگر ابتدا میں ایسے آدمی سے برادری نہ کرنا چاہیئے کہ برادری نہ کرنا خیانت نہیں ہے۔ مگر صحبت قطع کرنا خیانت ہے اور اس کا حق چھوڑ دینا ہے جو پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ مگر سب علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر برادر نے تیرے حق میں تقصیر کی ہے تو اس کو بخش دینا اولیٰ ہے۔ اور اگر وہ عذر خواہی کرے تو گو کہ تو جانتا ہو کہ جھوٹا ہے مگر عذر قبول کر لے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کا عذر قبول نہ کریگا۔ تو یہ اس شخص کے گناہ کی مانند ہے جو راستے سے مسلمانوں سے خراج لے اور فرمایا!

کہ مسلمان جلد خفا ہوتا ہے اور جلد خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مرید سے کہا کہ جب کسی دوست سے کوئی جفا دیکھے تو اس پر عتاب نہ کر۔ شاید عتاب کرنے سے تو ایسی بات سنے جو اس جفا سے سخت ہو۔ مرید نے کہا کہ میں نے جب اس بات کو آزمایا پیر کی نصیحت کے موافق پایا۔

ساتویں قسم یہ ہے کہ تو اپنے دوست کی زندگی میں اور موت کے بعد دعا کے ساتھ یاد کرے اور جس طرح اپنے زن و فرزند کے واسطے دعا کرتا ہے اسی طرح اس کے زن و فرزند کے لئے بھی دعا کرے اور درحقیقت وہ دعا اپنے حق میں ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کے واسطے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے تو فرشتہ دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے بھی یہ بات حاصل ہو اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ خود حق تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میں پہلے تیرا مدعا برلاؤں گا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوستوں کی جو دعا جو غیبت میں ہو حق تعالیٰ اسے رد نہیں فرماتا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ میں ستر دوستوں کا نام سجدہ میں لیتا ہوں اور ہر ایک کے واسطے دعا کرتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ بھائی وہ ہے جو تیری موت کے بعد دعا کرے کہ وارث مال میراث لینے میں مشغول ہوں اور اس بات کا اندیشہ کرے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ اور تجھ سے کیسے نبھے گی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردہ کی مثال اس کی سی ہے جو ڈوبتا ہو اور سہارا ڈھونڈتا ہو۔ مردہ بھی زن و فرزند اور دوستوں سے دعا کا منتظر رہتا ہے۔ اور زندوں کی دعا نور ہو کر مردوں کی قبروں میں پہنچتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دعا کو نور کے طباقوں میں مردوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانے شخص کا ہدیہ ہے۔ مردے اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح زندے ہدیہ سے خوش ہوتے ہیں۔

آٹھویں قسم یہ ہے کہ وفات کے دوستی کو نہ بھولے اور وفاداری کے ایک معنی یہ ہیں کہ دوست کی وفات کے بعد اس کے زن و فرزند اور دوستوں سے غافل نہ رہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھیا حاضر ہوئی۔ آپ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ لوگ اس بات سے متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عورت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے وقت یہاں آیا کرتی تھی اور دوستی نبھانا ایمان میں داخل ہے۔ اور وفاداری یہ ہے کہ جو شخص کسی دوست سے علاقہ رکھتا ہے اس کا فرزند ہو یا غلام یا شاگرد۔ سب پر مہربانی کی نظر رکھے۔ اور اس پر مہربانی سے زیادہ اثر دل پر پایا جاوے۔ جو دوست کے ساتھ رکھتا تھا۔ اور وفاداری یہ ہے کہ اگر منصب یا دولت یا حکومت پا گیا ہے تو اگلی وضع داری اور مدارات نگاہ رکھے۔ اپنے دوستوں سے غرور نہ کرے اور وفاداری یہ ہے کہ ہمیشہ دوستی قائم رکھے۔ اور کسی سبب سے قطع محبت نہ کرے۔ اس واسطے کہ شیطان کا بڑا کام یہ ہے کہ برادران کو وحشت میں ڈالتا ہے۔ جیسا حق تعالےٰ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ہے۔ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطَانُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ۔ اور وفاداری یہ ہے کہ دوست کے دشمن کے ساتھ دوستی نہ کرے بلکہ اس کے دشمن کو دشمن جانے۔ اس واسطے کہ جو شخص کسی کا دوست ہو اور اس کے دشمن کا بھی دوست ہو۔ تو یہ دوستی ضعیف ہوتی ہے۔

نویں قسم یہ ہے کہ تکلف درمیان سے اٹھا دے اور دوست کے ساتھ بھی ویسا ہی رہے جیسا کہ اکیلا رہتا ہے۔ اگر ایک دوست دوسرے کا لحاظ رکھے گا تو وہ دوستی ناقص ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا ہے وہ دوست سب دوستوں سے بدتر ہے جس سے معذرت اور تکلف کرنے کی ضرورت تجھے پڑے۔

حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ میں نے بہت سے دوست دیکھے کوئی ایسے دو بھائی نہ دیکھے کہ ان میں سے ایک حشمت کے سبب سے دوسرے کی وحشت

کا باعث ہوا۔ مگر یہ کہ کسی میں کچھ عیب ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے اہل دنیا کیساتھ ادب سے گذران کرو اور اہل آخرت کے ساتھ علم سے اور اہل معرفت کے ساتھ جسطرح تیراجی چاہے۔

کچھ صوفی اس شرط سے باہم صحبت رکھتے تھے کہ اگر کوئی ہمیشہ روزہ رکھے خواہ ہمیشہ کھانا کھائے یا رات بھر سوئے یا تمام شب نماز پڑھے۔ تو دوسرا کچھ نہ پوچھے گا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ بغرضیکہ للہ دوستی کے معنی یگانگی ہیں اور یگانگی میں تکلف کو کچھ دخل نہیں ہے۔

دسویں قسم یہ ہے کہ اپنے تئیں سب دوستوں سے کمتر سمجھے اور ان سے کسی بات کی امید اور آرزو نہ رکھے اور کوئی رعایت نہ چھپائے اور سب حقوق ادا کرتا رہے۔

حضرت جنید قدس سرہٗ کے سامنے کسی شخص نے کہا کہ اس زمانہ میں بھائی کمیاب ہیں۔ اور مکرر کہا۔ حضرت جنیدؒ نے جواب دیا کہ اگر تو ایسا شخص چاہتا ہے کہ تو اس کی خدمت گذاری اور غمخواری کرے تو بہتیرے ہیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے تئیں دوستوں سے بہتر جانے گا خود گنہگار ہوگا۔ وہ اس کے حق میں گنہگار ہوں گے۔ اور اگر اپنے تئیں ان کے برابر سمجھیگا تو وہ خود بھی غمگین ہوگا اور وہ بھی رنجیدہ رہیں گے اور اگر اپنے تئیں ان سے کمتر جانے گا تو یہ دونوں راحت و آرام سے رہیں گے۔

حضرت ابو معاویہ الاسود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میرے سب دوست مجھ سے بہتر ہیں کہ مجھے مقدم رکھتے ہیں اور میری بزرگی جانتے ہیں۔

امید ہے کہ یاران طریقت اس کو اپنا دستور العمل بنانے کی سعی کریں گے۔ السعی منا و الاتمام من اللہ اور اس کے مطابق عمل کر کے سعادت دارین سے حظ وافر حاصل کریں گے اور بزرگوں کے اقوال کو حرزِ جان بنا دیں گے۔ فقیر بھی دعا گو ہے کہ اللہ جل شانہٗ سب مسلمانوں کو یک جہتی اور اخوت کے بیش بہا خزانہ سے کامل حصہ عطا فرماوے آمین ثم آمین۔